۱۵۷۱ء سے ۱۵۹۶ء تک کے واقعات لکھے ہین، اور اس زمانہ کے بعد کے واقعات کو دوسرے رسالون کے لئے اٹھا رکھا ہے، جو عنقریب پریس سے نکلنے والے ہین، مولویصاحب موصوف کو اس رسالہ کی اشاعت مین بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہی اسلئے اُسکے کفارہ کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ پبلک کی طرف سے عملی طور پر اسکی قدر دانی کا اظہار کیا جائے، رسالہ کی قیمت ۶ ر ہے اور الرشاد بک ایجنسی نمبر ۱۹۱ گنگا پرشاد روڈ لکھنؤ سے مل سکتا ہے،

حیات گاندہی، خواجہ سید عزیز حسن صاحب نقشبندی نے موجودہ رہنمایان ہند کی سوانح عمریون کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، زیر ریویو کتاب بھی اسی سلسلہ کی ہے، اس مین اُنھون نے مسٹر گاندہی کے عام حالات، اخلاق وعادات اور ان تمام کارنامون کا تذکرہ کیا ہی جو اُنھون نے وطن اور ابنائے وطن کی فلاح وبہبود کے لئے انجام دیئے ہین، ابتدا مین مسٹر گاندہی کی تصویر بھی ہے، قیمت ۸ ر ہے -

فسانہ سعید، جناب راشد الخیری صاحب دہلوی افسانہ نویسی مین عام شہرت رکھتے ہین یہ کتاب انہین کے قلم سے نکلی ہے، جسمین ایک سوتیلے باپ کے مظالم، اور مظلوم بچون کی دردناک حالت کا موثر الفاظ مین نقشہ کھینچا گیا ہے، قیمت ۱۲ ر ہے، دونون کتابون کے ملنے کا پتہ:
حسن اینڈ کو، کوچہ چیلان دہلی -

التحقیق، مولوی احسان اللہ صاحب عباسی وکیل گورکھپور اپنی تصانیف اور قانون دانی مین مشہور ہین، یہ اخبار اُنکے صاحبزادہ مسٹر وحید عباسی نے جاری کیا ہے، اسکے ایڈیٹر مسٹر محمد فاروقی ایم ایس سی اور سید کامل حسین ایم اے ہین، جنمین اول الذکر ہمدرد کے سب ایڈیٹر رہ چکے ہین اور موخر الذکر نے مسلم گزٹ کے اسٹاف مین آنریری طور پر کام کیا ہے، اخبار عمدہ ہے اور واقعات حاضرہ پر آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے، قیمت سالانہ للعہ ر -

مجلد ششم ماہ صفر ۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰ء عدد چہارم

مضامین

جدید مطبوعات

روح الاجتماع، یعنی ڈاکٹر لی بان کی کتاب "جماعتہائے انسانی" کے اصول نفسیہ کا ترجمہ از مولانا محمد یونس فرنگی محلی، قیمت دو روپیہ،

"منیجر"

شذرات

خاکسار (ایڈیٹر معارف) آٹھ مہینہ کے سفر یورپ کے بعد ۲۔ اکتوبر کو ہندوستان واپس آیا، گو اسکا افسوس ہے کہ اس طویل عرصہ مین اپنے ناظرین کی خدمت سے معذور رہا، لیکن بحیثیت مسلمان اور ہندی ہونے کے اگر مجھسے انکی کوئی خدمت بن آئی تو اس اثنا مین مجھے یقین ہے کہ وہ اسکو میرے گناہ کا پورا کفارہ سمجھین گے، اس موقع پر مین اپنے دوست مولوی عبد الماجد صاحب بی، اے کا خاص طور سے شکریہ ادا کرتا ہون جنھون نے اپنی کثیر مصروفیتون کے باوجود میری غیر حاضری کے ایام مین معارف کی ترتیب و تدوین کے فرائض کو بحسن اسلوب انجام دیا،

جولائی کے معارف مین جو مضمون "قصہ بکاؤلی و مسائل تصوف" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، اسکے سلسلہ مین یہ خبر دلچسپی سے سُنی جائیگی کہ فرنچ زبان مین ایک ایسی کتاب موجود ہے جسکے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون مذکور سے اسکا موضوع متحد ہوگا، گارسن ڈی ٹاسی ایک مشہور فرنچ فاضل گذرا ہے، انگریزی عملداری کی ابتدا مین وہ ہندوستان مین مدت تک مقیم رہا تھا اُردو ادب سے اُسے خاص ذوق تھا، اور اُردو تصانیف کی سرپرستی اور

اردو مصنفین کی قدر شناسی مین ممتاز تھا، یہ کتاب اسی کے بعض لکچرون کا مجموعہ ہے، اور پورا نام فرنچ مین حسب ذیل ہے،

la doctrine de L'amoure on Tajul-Molook et Bekawali roman de Philosophia Religiense tradint de L'Hindastani

یعنی "تاج الملوک و بکاؤلی کے افسانۂ عشق کے فلسفیانہ و مذہبی نتائج و نکات" کتاب اگر ہندوستان آگئی تو ناظرین معارف کو اس سے ذرا تفصیل کے ساتھ روشناس کرایا جائیگا،

ماہ گذشتہ کا ایک اہم علمی حادثہ جرمنی کے نامور پروفیسر وُنٹ کی وفات ہے، پروفیسر موصوف فن نفسیات (سائکالوجی) مین اسوقت استاذ الاساتذہ کا مرتبہ رکھتے تھے، اُنکے زمانہ سے پیشتر نفسیات کو عام فلسفہ کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا، ونٹ ہی نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ نفسیات بذات خود ایک مستقل فن ہے، جسکے نتائج کی بنیاد قیاس و استدلال پر نہین بلکہ تجربات و اختبارات پر ہے، چنانچہ سب سے اول اُنہین نے نفسیات کے لئے ایک معمل (تجربہ گاہ) قائم کیا جسمین مادی علوم کے معملون کی طرح سارا کام تجربات کی مدد سے انجام پانے لگا، اور ایک جدید فن نفسیات طبیعی (سائیکو فزکس) کی بنا ڈالی، اسکے علاوہ فلسفہ اخلاق، منطق وغیرہ پر بھی اُنکی گران پایہ و ضخیم تصانیف ہین، ابتداءً وہ وجود روح کے منکر اور مادیت کے پیرو تھے، لیکن رفتہ رفتہ روح کے قائل اور بالآخر سخت مذہبی آدمی ہوگئے تھے، وفات کے وقت اُنکی عمر ۸۸ سال سے متجاوز تھی،

اگر یہ سچ ہے کہ ملک مین کتب بینی کا ذوق پیدا کرنا علم وروشن خیالی کی خدمت انجام دینا ہے تو اسمین کوئی شبہہ نہین ہو سکتا کہ بڑودہ کی ہندو ریاست کا نام اس وصف خاص مین سب سے زیادہ روشن نظر آتا ہے، انتہا یہ ہے کہ ہر ہر شہر نہین، ہر ہر قریہ مین کتبخانہ کہولے جارہے ہین چنانچہ اسوقت تک ۳۶۵ کتبخانے کہل چکے ہین، خاص شہر بڑودہ کے کتبخانہ مین ۷۱ ہزار سے اوپر کتابین ہین جنمین سے قریب سات ہزار کے قلمی ہین، اور دار المطالعہ مین تقریباً سوا دوسو اخبارات ورسائل منگاے جاتے ہین، پھر ایک علٰحدہ زنانہ شاخ ہے اور ایک شعبہ بچون کے لئے ہے، جسمین مخصوص انہین کی دلچسپی کی چیزین ہین، پچہلے سال تقریباً ڈیرہ لاکہ نفوس نے مرکزی کتبخانہ سے استفادہ کیا، اور اگر عورتون اور بچون کی تعداد کو بھی شامل کرلیا جاے تو اس میزان مین سولہ ہزار کا اور اضافہ کرنا ہوگا،

حیدر آباد، بہوپال، ورامپور کے شاہی کتبخانہ اسمین شبہہ نہین کہ بجاے خود اعلی قسم کے ہین، کلکتہ کی امپریل لائبریری ملک مین اپنا جواب نہین رکھتی، لاہور، الہ آباد، وغیرہ مختلف مقامات کے سرکاری کتبخانہ بھی قابل دید ہین، لیکن بڑودہ مین جو اسکا اعلی نظام قائم ہے اسکے حدود کو جو عظیم الشان وسعت دیجارہی ہے اور اس چشمۂ فیض کو جسطرح گہر گہر پہنچایا جارہا ہے اسکے لحاظ سے بہتر ہوگا کہ اسلامی ریاستون اور خود برٹش انڈیا کے خدایان تعلیم شاگردانہ حیثیت سے کچھ زمانہ بڑودہ مین بسر کرین،

کاغذ کے قحط اور سامان طباعت کی گرانی کے ساتھ ہی علم دوست اصحاب کے لئے ایک اہم اور قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ قدیم کتب مطبوعہ کی حفاظت کا کیا انتظام کیا جاے؟ جن جن کتبخانون مین کتابین موجود ہین، وہ کوئی موسم وہوا کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہین، امتداد

زمانہ سے کاغذ یا تو خود گلتا جاتا ہے یا کیڑون کی خوراک بنتا جاتا ہے، یہانتک کہ ایک مدت کے بعد کتابین بالکل ازکار رفتہ ہوجاتی ہین، ان قدرتی آفات سے تحفظ کے وسائل پر غور کرنا ہر کتاب دوست کا فرض ہے، ۱۹۱۸ء مین تمام ہندوستان کے کتبخانون کے مہتممین (لائبریرینس) کی جو کانفرنس لاہور مین منعقد ہوئی تھی اس نے بھی اس مسئلہ پر توجہ کی تھی مگر کسی نتیجہ تک نہ پہنچ سکی، حال مین امپریل لائبریری (کلکتہ) نے جو اپنی پچھلی سالانہ رپورٹ شائع کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ توپخانۂ دمدم کے کتبخانہ کی کتابون کے جو ایک عرصہ سے میرٹھ مین منتقل کردیگئی ہین، معائنہ سے دریافت ہوا کہ جو کتابین آج سے ستر (۷۰) سال پیشتر تک درست وصحیح حالت مین تہین ان مین سے پچاس فیصدی بالکل بیکار ہوگئی ہین، اور بقیہ پچاس مین سے ۵-۳ فیصدی رفتہ رفتہ بیکار ہورہی ہین، انہین کتابون کو جب امپریل لائبریری مین نکال کر دیکہا گیا تو معلوم ہوا کہ اتنے عرصہ مین ٹہیک یہی تناسب وہان کے خزانہ کتب کے نقصانات مین بھی قائم رہا، تعجب ہے کہ یورپ کی بلند پرواز وفلک پیما قوت ایجاد واختراع اس عام مصیبت سے بچنے کی کوئی تدبیر ابتک نہ نکال سکی،

امریکہ مین ایک ریاست پنسلونیا ہے، وہان کے ایک اخبار پٹسبرگ ڈسپیچ نے جمہور کے مذہبی خیالات کا اندازہ کرنے کے لئے حال مین متعدد سوالات اپنے کالمون مین شائع کئے تھے جنمین سے چند کے عنوانات یہ ہین:-

(۱) آپ کے پاس وجود باری کا کیا ثبوت ہے؟

(۲) کیا ابتدا مین صرف خدا کا وجود تہا؟

(۳) خدا جنگ وخون ریزی کو کیونکر جائز رکہتا ہے؟

(۴) کیا آپ مسیح کی آیندہ آمد کے معتقد ہین؟ وقس علی ہذا،

ان سوالات کے جو جوابات اخبار مذکور نے پبلک کی طرف سے شایع کئے ان کا نمونہ ملاحظہ ہو:-

"ابتدا ر انسان کو خدا کا تصور اپنی جہالت وخوف کی بنا پر پیدا ہوا، یہ عقیدہ تدریجاً دنیا سے رخصت ہو رہا ہے، اور ایک زمانہ مین اسکا شمار بھی مسلّم اوہام مین ہوگا"

"خدا اگر کسی زمانہ مین موجود رہا بھی ہو تو اتنا بہرحال یقینی ہے کہ آفرینش ارض کے بعد غائب ہوگیا ہے، ممکن ہے کہ محنت سے خستہ ہوکر کسی درخت کے نیچے سُستانے چلا گیا ہو"

"مسیح کی آیندہ آمد کسی گذشتہ ہی آمد تاریخ سے نہین ثابت ہوتی"

"بعض مخبوط الحواس پیشوایان مذہب ابتک یہ ثابت کرنیکی فکر مین ہین کہ وبا، سیلاب، طوفان، زلزلہ وغیرہ خدا کی نیکی وخوش انتظامی کے شواہد ہین، لیکن ارباب عقل جانتے ہین کہ ان حضرات کا سہارا عقل وفہم نہین بلکہ خوش عقیدگی ہے"

"کلیسا کی روایت ہے کہ خدا کے ایک صاحبزادہ عیسیٰ مسیح تھے، انکے جو حالات و ارشادات انجیل مین درج ہین، اگر وہ صحیح ہین تو یہ یقیناً جنگ وخون ریزی کے مخالف تھے، لیکن خود خدا تعالیٰ ان چیزون کو جائز رکھتا ہے، کیا ان الوہیت ماب باپ بیٹون مین بھی نفاق وشقاق کی مثال موجود ہے"؟

جوابات کا بیشتر حصہ اسی نوعیت کے فقرون سے لبریز ہے، جمہور کے مذاق طبیعت کا صحیح اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان خیالات کی اشاعت سے پرچہ کے خریدارون کی تعداد مین اضافہ ہونا شروع ہوگیا، یہانتک کہ چند روز مین دس ہزار جدید خریدار پیدا

ہوگئے، "دنیاے جدید" کو مسیح ومسیحیت سے عملاً جو برگشتگی ہے، اسکا ثبوت اسکی زندگی کے ہر ہر قدم پر ملا کرتا تھا، لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ جرأت وبیباکی کے ساتھ لفظاً بھی اسکا اعلان کیا جانے لگا ہے، اور سچ یہ ہے کہ جن دماغی صنمکدون مین جاہ وثروت، مال وزر، زن وزمین کے دیوتاؤن کی پرستش ہوتی رہتی ہے، انہین خدا وروح کے تصور سے کوئی واسطہ رہنا بھی نہ چاہیے تھا، زر پرستی وخدا شناسی کی یکجائی اجتماع ضدین سے محال تر ہے۔

ہندوستان کی تعلیمی تاریخ کا اہم ترین باب کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کی رپورٹ کو قرار دیا جاتا ہے، اسکی تجاویز اور سفارشین وحی آسمانی کا مرتبہ رکھتی ہین، اور تعلیمی ملاء اعلیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر نجات مطلوب ہے تو انکے حرف حرف پر ایمان کامل رکھنا چاہیے، ڈھاکہ اور لکھنؤ کی جدید یونیورسٹیان انہین کے مطابق قائم ہورہی ہین، کلکتہ، مدراس، واله آباد کی قدیم یونیورسٹیون کو اسی قالب مین ڈھالا جارہا ہے، اور علیگڈھ "مسلم" یونیورسٹی کے نظام وقانون کی ترتیب مین بھی اسی نمونہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے، لیکن اس سارے دفتر تجدید و اصلاح کا ماحصل کیا ہے؟ محض یہ کہ فلان فلان جدید عہدہ قائم کرنا چاہیے، فلان فلان درجون کو کالج سے نکال دینا چاہیے، تقسیم اختیارات فلان فلان جدید جماعات ومجالس کے درمیان کرنا چاہیے، انتظامی وتعلیمی امور کا تعلق جداگانہ مجلسون سے ہونا چاہیے، بیرونی درسگاہون کے الحاق کے بجائے تعلیمی مرکزیت پر زور دینا چاہیے، وقس علی ہذا،

ظاہریت وظاہر پرستی جو صدیون سے لازمۂ تمدن رہی ہے، اور جس نے مذہب اخلاق، معاشرت، سیاسیات، غرض ہر شعبۂ زندگی کو چھالیا ہے، اسکی حکومت قاہرہ کے

شکنجے نے ہمارے مصلحین تعلیم کے بھی دل و دماغ کو اپنی سخت گرفت میں لے لیا ہے، یہانتک کہ ہم میں سے جو افراد، اصلاح تعلیم کے لئے بڑے سے بڑے ولولے لیکر اُٹھتے ہین وہ بھی اس ظاہریت کے محدود دائرہ سے باہر قدم نہین رکھہ سکتے، اور باوجود انتہائی آزاد خیالی کے ادعا کے ان کا محور فکر تمامتر اسیقدر رہتا ہے کہ نظام مروجہ مین چند خارجی و مادی تغیرات کر دیئے جائین، چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ کے ضخیم مجلدات کا حرف حرف اسی طریق فکر کے سانچہ مین ڈھلا ہوا نکلا ہے، اور مسلم یونیورسٹی پر جو اعتراضات کی بارش ہو رہی ہے، اسکے بھی سارے تیرون کا ترکش یہی ظاہریت و خارجیت ہے، حالانکہ اگر عمارت کی استواری مقصود ہے تو سب سے مقدم، بنیاد کا استحکام ہے، اور در و دیوار سقف و محراب کی وضع و ہیئت، نقش و نگار کے سوالات بہت بعد کے ہین، اصلاح کی حقیقی ضرورت نظام تعلیم کے ڈہانچہ مین نہین بلکہ اسکی رُوح مین ہے، اور جبوقت تک تعلیم کا مقصد طلب دنیا، حصول جاہ، اکتساب زر رہیگا، صحیح روح وجود مین آہی نہین سکتی، تعلیم کا حقیقی مقصد محض تزکیۂ نفس و حقیقت شناسی ہے، اسکے سوا اسکا کوئی اور مقصد قرار دینا، اسکی اصلاح نہین، تخریب کی سعی کرنا ہے،

تعلیم کا یہ تخیل دنیا کے لئے بالکل انوکھا نہین، ہندوؤن کی کتب قدیمہ مین اسکی بکثرت تصریحات ملتی ہین، اور مسلمانون کا لٹریچر بھی اس سے خالی نہین، امام غزالی وغیرہ کی تصانیف سے قطع نظر کرکے جنمین فرائض معلم و متعلم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہی مقصد تعلیم کی تشریح ان کتابون مین بھی ملتی ہے جو خالص تصوف پر لکھی گئی ہین، مولانا جامی کی مثنوی تحفۃ الاحرار تصوف کی ایک مشہور کتاب ہے، لیکن اسمین ایک مستقل مقالہ احوال علماء سے

متعلق ہے، جسکے ضمن مین مقصد تعلیم کو حیرت انگیز جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ اسکی غرض محض حقیقت جوئی ہونا چاہیئے، نہ کہ طلب دنیا، اور جو لوگ فلسفیانہ یا مذہبی حیثیت سے محض ظاہری اسباب و حوادث کے پھیر مین پڑے رہجاتے ہین، انکی سخت مذمت کی ہے، فرماتے ہین،

نورِ دل از سینۂ سینا مجوے — روشنی از چشم نابینا مجوے

اسکے آگے اسکی تصانیف اشارات، شفا، نجات، و قانون کا نام لیکر انکی ہجو کی ہے اور ساتھہی فقہ، عقائد و کلام کی کتابون کو بھی اسی دائرہ مین لپیٹ لیا ہے، مثلاً ہدایہ، نہایہ، مواقف، مقاصد وغیرہ، اسلئے کہ یہ کتابین اصل حقیقت تک پہنچانے مین حارج ہوتی ہین اور ذہن کو ظاہری و سطحی اسباب و علل کی زنجیرون مین اُلجھا دیتی ہین،

خاصیت علم سبب سوزی است — شیوۂ جاہل سبب آموزی است

جس علم سے تزکیۂ نفس نہو وہ علم لاحاصل ہے،

گر ز مواقع دلِ تو صاف نیست — کشف مواقع در کشاف نیست

ترک نفاق و کم تلبیس گیر — علم ز سرچشمۂ تقدیس گیر

علم چو دادت ز عمل سر بہیچ — دانشِ بیکار نیرزد بہیچ

سب سے بڑھکر یہ کہ معلم کو خدمت تعلیم کے لئے گرانقدر معاوضہ لینے کی قطعاً ممانعت ہے اور قناعت اسکا فرض اولین ہے،

چون دگران را نشوی آمرزگار — کم طلب آن را عوض از روزگار

علم بود جوہر و باقی سفال — آن چو حقیقت دگران چون خیال

بیع جواہر بہ سفالے کہ چہ — بذل حقائق بہ خیالے کہ چہ

اسی مقالہ مین ایک عالم کی حکایت درج ہے جو ایک بار کنوئین مین گر پڑے تھے اور اسکے اندر سے صداے استغاثت بلند کر رہے تھے، اتفاق سے ادہر انکے ایک شاگرد کا گذر ہوا، اور اس نے ایک مصیبت زدہ کی آواز سن کر اُسے نکالنا چاہا، عالم نے راہ گیر سے کہا کہ پہلے اپنا نام و نشان بتا دیجئے، شاگرد نے اپنا تعارف کرایا، استاد نے یہ سن کر معاً اسکی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا، کہ کہین یہ مدد، انکی بےغرضانہ خدمت تعلیم و تدریس کا معاوضہ نہو جاے اور اسکے مقابلہ مین کنوئین کے اندر پڑا رہنا قبول کیا۔

گفت کہ حاشا ازین چاہ پست	در زنم امروز بدستِ تو دست
منکہ بہ تعلیم میان بستہ ام	از قرض سود و زیان رستہ ام
کوششم از راہِ خداوندیست	خاص پے فضل خداوندیست
کے بجزاے دگر آلائمش	در غرض آلودگی افزائمش
در تگِ این چاہ نشینم اسیر	تا شودم بےغرضے دستگیر

کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کے فاضل ارکان جو بیش قرار مشاہرون پر پُر تکلف زندگی بسر کرتے رہے، اس قناعت و ایثار، بےغرضی و نفس فراموشی کے معنی سے بھی واقف ہین؟ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیون کے اساتذۂ فن کے ذہن مین کبھی اس طرز زندگی کا تصور پیدا ہوا ہے؟ خیر، اغیار سے چندان گلہ نہین، دیکھنا یہ ہے کہ جامی و غزالی کے ہمقومون اور مسلم یونیورسٹی کے مویدین و مخالفین دونون جماعتون مین سے کتنے افراد تعلیم کے اس مفہوم پر ایمان لانے کو تیار ہین؟۔

دار المصنفین اپنی تکمیل مین اگرچہ ابھی تک بہت سی چیزون کا محتاج ہے، لیکن اسکی

حقیقی روح صرف ایک عظیم الشان کتبخانہ ہے جو افسوس ہے کہ ابتک نہایت ابتدائی حالت مین ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اپنا بہترین کتبخانہ جو انکے روحانی اولاد کا اصلی ترکہ ہو سکتا تھا پہلے ہی ندوہ پر وقف کر دیا تھا، اخیر مین جب انھون نے دار المصنفین کو اعظم گڈھ مین قائم کرنا چاہا تو اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ مبذول کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انکی زندگی ہی مین چھ سات الماریان کتابین جمع ہو گئین، اسکے بعد متعدد علم دوست احباب نے کچھ کتابین نذر کین اور حسب ضرورت دار المصنفین بھی اس سرمایہ مین اضافہ کرتا رہا، لیکن باوجود ان تمام کوششون کے دریا مین ایک قطرہ سے زیادہ کا اضافہ نہو سکا، حال مین مولانا سید سلیمان ندوی نے یورپ کا جو سفر کیا، اسمین علاوہ مذہبی اور قومی خدمات کے اُنھون نے دار المصنفین کے اس مقصد کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا اور جہانتک امکان مین تھا مطبوعات یورپ مین سے دار المصنفین کے لئے بہترین کتابین خریدتے اور بھیجتے رہے، اب دار المصنفین مین مطبوعات یورپ کا ایک ایسا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے جو نہ صرف مصنفین کے لئے کار آمد ہوگا بلکہ دار المصنفین کے خصوصیات مین شمار کیا جائیگا، اسکے علاوہ مولاناے موصوف نے یورپ کے کتب فروشون سے مستقل علمی تعلقات قائم کر لئے ہین، اسلئے جسقدر نادر کتابین یورپ مین طبع ہوتی رہین گی اسکا ایک نسخہ دار المصنفین مین ضرور پہنچتا رہیگا، اور اسطرح دار المصنفین کی یہ خصوصیت روز بروز اور بھی زیادہ نمایان ہوتی جائیگی،

مقالات

آیتِ استخلاف

جماعت انسانی کا کوئی اہم کام بغیر کسی خاص نظام کے نہین چل سکتا، وہ نظام جو تمام مسلمانان عالم کی جماعت کی تشکیل کرتا ہے، اور باوجود اختلاف قومیت، اختلاف زبان، اختلاف وطن، انکو باہم گروابستہ اور مربوط کرتا ہے، وہ خلافت ہے، اسلام جغرافی تقسیمون مین، نسلی قومیتون مین، مصنوعی زبانون مین، کالی اور گوری رنگتون مین منقسم نہین ہے، وہ تمام دنیا کے ان افراد کو جنہون نے اسکے اصول زندگی اور طریق عمل کو اختیار کرلیا ہے اخوت اور برادری کی ایک ہی سطح پر کھڑا کر دیتا ہے، اور اسی عالمگیر برادری کا مرکز وہ نقطہ ہے جسکو ہم مسلمان خلافت کہتے ہین،

مسئلہ کے صحیح پہلو کو سمجھنے کے لئے مسلمانون کے اساس دین و مذہب یعنی قرآن مجید کی صرف ایک آیت پر غور کرنا کافی ہے، چنانچہ ایک مختصر تمہید کے بعد اسی آیت پاک کی طرف ہم اپنے دوستون کو متوجہ کرتے ہین،

"خلافت" کے لغوی معنی "جانشینی" کے ہین، مسلمانون کا اعتقاد یہ ہے کہ "نوع انسانی" اس سطح خاکی پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے جانشین ہے، وہ تمام خیر و سعادت وہ تمام کمالات و حسنات جنکی وہ ذات اقدس منبع ہے، نوع انسانی کا فرض ہے کہ بحیثیت جانشینی کے اپنی محدود وسعت انسانی کے مطابق اپنے اندر اُنکے حصول کی کوشش کرے تاکہ وہ اس کمال مطلق اور حسن مطلق ہستی کی صحیح جانشین ہوسکے،

اسلام کی مقدس کتاب کا پہلا حصہ جس اصولی سبق سے شروع ہوتا ہے، وہ یہی مسئلہ خلافت انسانی ہے، حضرت آدم کا قصہ یہود و نصاریٰ دونون مین مسلم ہے، لیکن اسلام مین اس قصہ کی تشریح ایک اصولی اعتقاد کی حیثیت رکھتی ہے، تخلیق آدم کی غرض و غایت عقاید اسلامی کے مطابق صرف یہ ہے کہ وہ خداوند عالم کا اس سطح خاک پر خلیفہ نامزد ہوا، قرآن مجید کے ابتدائی سورہ کی یہ آیت ہے،

اذ قال ربّک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ، — یاد کرو جب خدا نے فرشتون سے کہا کہ ہم زمین مین اپنا ایک خلیفہ بنانے والے ہین،

بالآخر یہ خلیفہ بنایا گیا اور آدم اسکا نام ہوا، یہی آدم جو خدا کی طرف سے خلیفہ تھا، اپنے فرزندون کے لئے پیشوا اور امام ہوا، یعنی وہ خالق کا خلیفہ اور مخلوق کا امام تھا،

حضرت آدم کے بعد اپنے اپنے عہد اور زمانہ مین بہ ترتیب جو انبیاے عظام (صلی اللہ علیہم وسلم) اس دنیا مین تشریف لاتے گئے، وہ خلفاے الٰہی اور ائمہ انسانی تھے، اور قرآن پاک نے انکو اسی نام سے بار بار یاد کیا ہے،

حضرت ابراہیم جو اسلام مین ایک عظیم الشان پیغمبر تسلیم کئے گئے ہین، انکی نسبت قرآن مین خداے پاک کہتا ہے،

قال انّی جاعلک للنّاس اماما (بقرہ) — ای ابراہیم مین تم کو لوگون کا امام بنانیوالا ہون،

حضرت داؤد جنکو مسلمان پیغمبر یقین کرتے ہین، قرآن انکو خلیفہ کہکر پکارتا ہے،

یٰداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض (ص) — اے داؤد ہم نے تمکو زمین مین اپنا خلیفہ بنایا

مسلمانون کے اعتقاد مین آخرین خلیفہ الٰہی اور امام انسانی پیغمبر عرب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپکی وفات کے بعد خلافت الٰہی کے بجاے خلافت نبوی کا سلسلہ

شروع ہوا، صحیح مسلم جو اسلام مین حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب ہے، اس مین آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے عن ابی ھریرۃ عن النبی صلعم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وستکون خلفاء سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر خلیفہ رسول اللہ کے خطاب سے مخاطب ہوئے، اسکے بعد یہ سلسلہ اسوقت سے آج تک بلا انقطاع قائم ہے، قرآن مجید کی وہ آیت پاک جو اس عمارت کی بنیاد ہے یہ ہے،

وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت	خدانے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے
لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین	(یعنی مسلمانون) سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انکو زمین مین
من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی	اسی طرح خلیفہ بنائیگا جسطرح انکو بنایا جو اُنسے پہلے تھے
ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد	اور اُنکے اس دین کو جسکو وہ اُنکے لئے پسند کرچکاہے
خوفھم امنا، یعبدوننی لا یشرکون	قائم و مستحکم کریگا، اور خوف کے بعد انکو امن بخشیگا، وہ
بی شیئا، ومن کفر بعد ذلک فاولئک	مجھے پوجین اور میرا کسیکو شریک نہ بنائین اور جو اسکے
ھم الفاسقون، (نور)	بعد بھی کافر ہونگے تو وہ بے شبہہ مجرم ہونگے۔

ان آیات پاک مین نہ صرف مسئلہ خلافت کا سرسری ذکر ہے بلکہ اسکی حقیقت اور اُسکے تمام شرائط و مصالح بھی بتادیئے گئے ہین، ان آیات پاک مین پانچ الفاظ ہین جنکی تشریح ہمارے مقاصد کی گرہ کشائی کریگی،

(۱) استخلاف

(۲) الارض

(۳) تمکین دین

(۴) تبدیل امن من بعد الخوف،

(۵) عبادت الٰہی و عدم اشراک،

استخلاف استخلاف کے معنی عربی زبان مین خلیفہ بنانے اور حکمران بنانے کے ہین، یعنی اس ایک لفظ کے لغوی معنی کے اندر مادی و روحانی، دنیاوی و دینی دونون قسم کی سرداری و سیادت کے معنی داخل ہین، علاوہ لغت کے ہم یہان بطور نمونہ کے چند مستند مفسرین کی رائین نقل کرتے ہین، سب سے قدیم اور مستند مفسر امام ابن جریر طبری کی تفسیر یہ ہے،

لیورثنھم اللہ ارض المشرکین من العرب	اللہ تعالیٰ عرب و عجم کے غیر مسلم سے ملک لیکر مسلمانون کو
والعجم فیجعلھم ملوکھا وساستھا	انکا وارث بنائیگا کہ وہ اسکے بادشاہ اور اُسکے
(ج ۱۸ ص ۱۰۹)	منتظم کار ہونگے،

علامہ بغوی کی مشہور تفسیر معالم مین ہے،

لیورثنھم ارض الکفار من العرب والعجم	خدا مسلمانون کو کفار کی زمین کا وارث کریگا تو انکو
فیجعلھم ملوکھا وساستھا وسکانھا،	اسکا بادشاہ، منتظم اور باشندہ بنائیگا،

قاضی بیضاوی لکھتے ہین،

لیجعلنھم خلفاء متصرفین فی الارض تصرف	خدا مسلمانونکو خلیفہ بنائیگا جو زمین کا اسی طرح انتظام کرینگے
الملوک فی ممالکھم	جسطرح بادشاہ اپنی سلطنت کا کرتے ہین۔

علامہ ابن کثیر جنکی تفسیر تمام تفسیرون مین مستند ترین تفسیر ہے، اسکی تشریح ان الفاظ مین کرتے ہین،

ھذا وعد من اللہ تعالیٰ لرسولہ صلعم بانہ	خدا کا پیغمبر سے وعدہ ہے کہ اسکے پیروؤن کو وہ زمین کا
سیجعل امتہ خلفاء الارض، ای ائمۃ الناس	حکمران، لوگون کا امام و پیشوا اور اپنے امور کا منتظم

والولاۃ علیھم وبھم تصلح البلاد و تخضعھم لھم العباد، | و مدیر بنایگا، اور انہین سے ملکون کی حالت درست ہوگی اور لوگ انکی اطاعت کرینگے،

ان تفسیرون کے علاوہ دیگر کتب تفسیر مین استخلاف کے یہی معنی لکھے ہین، اس تفسیر جسپر تمام مسلمان علماء اور ائمہ کا اتفاق ہے، یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ خلیفہ دینی و دنیاوی، مادی و روحانی دونون قوتون کا بیک وقت رئیس و سردار ہے، کوئی روحانی خلیفہ و امام اس وقت تک خلیفہ و امام نہین ہوسکتا جب تک وہ مادی و دنیاوی طاقت کسی نہ کسی طرح اپنے ہاتھ مین نہ رکھتا ہو،

الارض | دوسرا لفظ الارض کا ہے، ارض کے لغوی معنی مطلق زمین و ملک کے ہین، لیکن یہان ارض پر الف لام کسی خاص چیز کو بتاتا ہے اور وہ وہ سرزمین ہے جسکو مسلمان روز ازل سے مقدس جانتے ہین، اور جسکو توراۃ نے "زمین مقدس" کا خطاب دیا ہے اور جو ابراہیم کی اولاد کو بطور وراثت عطا کیگئی تھی، یہود اس مقدس زمین کو صرف فلسطین مین محدود سمجھتے ہین کہ وہ اُن کا اصلی وطن تھا، لیکن اسلام اس احاطہ مین اس تمام سرزمین کو گھرا ہوا تسلیم کرتا ہے جو ابتک اولاد ابراہیم کی بیشمار تعداد سے آباد ہے اور جو ہمیشہ سے پیغمبرون کا مسکن رہا ہے، یعنی وہ سرزمین جسکو دجلہ و فرات، بحر شام، بحر احمر، بحر ہند اور خلیج فارس چارون طرف سے محیط ہے، جسمین عراق و شام و عرب واقع ہین، چونکہ یہ قطعۂ ارض چارون طرف سے پانیون سے گھرا ہوا ہے، اسلئے اسکو پیغمبر اسلام نے جزیرۃ العرب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ اس قطعۂ زمین کو ہمیشہ غیر مسلم دست اندازی سے محفوظ رکھا جائے، لیکن اسلام کی خالص زندگی ہمیشہ قائم رہے،

الغرض ارض خلافت کا قلب و دماغ یہی قطعۂ ارضی ہے، اور اسکی وسعت اطراف

ممالک مین حالات کے مطابق گھٹتی اور بڑھتی رہی، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود تھی، خلیفہ اول کے عہد مین شام و عراق کے حدود تک پہنچ گئی، خلیفہ ثانی نے اسکو ایک طرف مصر اور دوسری طرف ایران کی سرحد سے ملادیا، خلیفہ ثالث کے زمانہ مین ارض خلافت افریقہ اور ترکستان تک وسعت پذیر ہوگئی، خلیفہ چہارم کے عہد خلافت مین مملکت اسلامی دو حصون مین منقسم ہوگئی، عرب و عراق و عجم حضرت علی کے ہاتھ مین رہے، اور شام، مصر و افریقہ امیر معاویہ کے قبضہ مین چلے گئے، حضرت علی کی وفات کے بعد جب مسلمانون نے امیر معاویہ کو خلیفہ تسلیم کیا، اور اسکے بعد بنو امیہ کے آخری زمانہ تک یعنی سنہ ۱۳۲ھ تک ارض خلافت اسپین سے سندھ تک، یورپ، ایشیا، افریقہ تین براعظمون مین پھیلی رہی، بنو عباسیہ جب مدعی خلافت ہوئے تو انکی حدود خلافت دوسری طرف مصر سے آگے افریقہ و یورپ تک نہ پھیل سکے.

بغداد مین خلافت عباسیہ کی تباہی کے بعد مصر مین جب خلافت عباسیہ منتقل ہوئی تو اسکی وسعت ملکی صرف مصر و شام و عرب تک محدود رہ گئی، سنہ مین جب خاندان عثمانی مین خلافت منتقل ہوئی تو اسکی وسعت نے پھر یورپ و افریقہ و ایشیا تینون براعظمون کو گھیر لیا،

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگا کہ ارض مقدس ہر زمانہ مین خلافت کا اصلی جزو اور دیگر ممالک خلیفۂ وقت کے جاے وقوع و جاے حکومت اور فوجی طاقت کے مطابق اسمین شامل رہے ہین، مگر بہرحال از روے اصول کے اسکی وسعت ارضی ہر زمانہ مین اسقدر رہنی چاہیئے کہ وہ اس زمانہ کی گرد و پیش کی غیر مسلم سلطنتون کے مقابلہ مین اپنی بقا و زندگی کی حفاظت کرسکے،

اس تشریح کے بعد لفظ الارض کے متعلق مستند مفسرین کی شہادتون کو سننا چاہیے،

علامۂ ابن کثیر جواز روے صحت روایت، مستند ترین مفسر ہین انکا بیان ہے،

هذا وعد من الله تعالى لرسوله صلعم بانه سيجعل امته خلفاء الارض.... وقد فعله.. فانه صلعم لم يمت حتى فتح الله عليه مكة وخيبر والبحرين وسائر جزيرة العرب وارض اليمن بكمالها واخذ الجزية من مجوس هجر ومن بعض اطراف الشام وهاداه هرقل ملك الروم وصاحب مصر و اسكندريه وملوك عمان والنجاشى ملك الحبشة،

خدانے پیغمبر صلعم سے یہ ایک وعدہ کیا تھا کہ وہ انکے پیرؤن کو زمین مین خلیفہ بنائیگا، خدانے یہ وعدہ پورا کیا، چنانچہ آپنے اسوقت تک وفات نہین پائی جب تک مکہ، خیبر اور تمام عرب اور یمن آپکی ماتحتی مین نہ آگیا، اور ہجر (بحرین) کے مجوسیون سے اور شام کے چند مقامات سے جزیہ نہ لے لیا، اور قیصر روم اور مصر و اسکندریہ کے سلاطین اور عمان کے امرا، اور نجاشی شاہ حبشہ نے آپکو ہدیہ دیا،

علامۂ زمخشری نے جواز روے ادب و زبان بہترین مفسر تسلیم کئے گئے ہین لکھتے ہین،

"خدانے اپنا وعدہ پورا کیا، اور مسلمانون کو پہلے جزیرۃ العرب کا مالک بنایا اور اسکے بعد مشرقی و مغربی ممالک کو انھون نے فتح کیا۔"

غرائب القرآن مین جو قرآن کا مستند لغت ہے مذکور ہے،

چنانچہ خدانے اپنا وعدہ پورا کیا اور انکو جزیرۃ العرب کا مالک اور کسریٰ کی مملکت و خزانہ کا وارث بنایا،

ابن الاعرابی کا بیان ہے کہ

الارض کے معنی ملک عرب اور اسکے سوا اور ممالک بھی مراد ہین،

الغرض ان تمام تصریحات سے واضح ہوگا کہ خلافت کی ارض موعودہ کے اندر جزیرۃ العرب

تو بمنزلہ اصل کے ہے اور اسکے علاوہ دیگر ممالک بھی اسکے اندر داخل ہین،

تمکین دین یہ لفظ جس آیت پاک مین واقع ہے وہ حسب ذیل ہے،

وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم،

اور (خلافت دیکر) انکے اس دین کو جسکو اس نے انکے لئے پسند کیا ہی قوت و استحکام دیگا،

آیات استخلاف کے اس ٹکڑہ سے یہ واضح ہوگا کہ اس خلافت الٰہی کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانون کا وہ دین جسکو خدانے انکے لئے پسند کیا ہے، یعنی اسلام اسکو دنیا مین قوت و استحکام بخشا جاے کہ ظالمون اور ستمگرون کی زبردستی کے حملون سے وہ دین اور اسکے ماننے والے ہمیشہ محفوظ رہین، اور بخت نصر، ہیرو، اور چنگیز کے ظہور ثانی کا اسلام کو خطرہ نہ رہے،

مفسرین کی رائین اسکے متعلق آگے آتی ہین،

تبدیل امن من بعد الخوف اسلام جب عرب مین ظہور پذیر ہوا، تو دعوت حق کے جواب مین اسکو ہر طرف سے تیغ و خنجر اور تیر و تبر کے زخم کہانے پڑے، ۱۳ برس کی مدت انہین ظلم و ستم کی پُر درد داستانون سے مملو ہے، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو خلافت الٰہی کی بنیاد ڈالنے کا حکم عنایت فرمایا، اور اسکا مقصد یہ قرار دیا کہ دنیا مین اسلام کے لئے امن و سلامتی قائم ہو، اس بنا پر اس آیت استخلاف کے ان الفاظ سے

وليبدلنهم من بعد الخوف امناً

اور (اس خلافت کے ذریعہ سے) مسلمانون کے خوف کو امن سے بدل دیگا،

یہ واضح ہوتا ہے کہ خلافت کے وجود کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ اسکی قوت کے زیر سایہ مسلمان امن و سلامتی کے ساتھ رہ سکین، اس تفسیر کی تائید مین حسب ذیل بیان نقل کرتا ہون جو

تمام مفسرون کی متحدہ عبارت ہے،

اس سے یہ مقصود ہے کہ اسلام کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہو، مسلمان مدینہ مین مجبور کئے گئے تھے کہ وہ ہمیشہ اپنی حفاظت کے لئے مسلح رہین، وہ آخر اس طرز زندگی سے تنگ گئے اور پیغمبر سے آکر ملتجی ہوئے تو خدا نے وعدہ کیا کہ وہ انکو خلافت بخشیگا جس سے وہ امن و امان مین رہین گے،

ایشیا و یورپ و افریقہ کی گذشتہ و موجودہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ خطرہ اب بھی دنیا مین اسی طرح قائم ہے جس طرح آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر تھا، اسپین، سسلی، کریٹ، مالٹا، ہرزیگونا، بوسینا، یونان، سرویا، بلگیریا، مقدونیہ، اسمرنا، ارض روم، آرمینیا، وغیرہ کے واقعات کیا محتاج بیان ہین،

عبادت الٰہی و عدم اشراک

خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اس خلافت کا، اس استحکام دین کا، اس امن و امان کا مقصد کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ

يعبدونني ولا يشركون بي شيئا، مجھکو پوجین اور کسی کو میرا شریک نہ بنائین،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان ایک خاص پیغام الٰہی لیکر دنیا مین بھیجے گئے ہین، اُنکے خاص عقاید ہین، اُنکے خاص عبادات ہین، اُنکے خاص علوم و فنون ہین، اُن کا ایک خاص تمدن اور ایک خاص اصول زندگی ہے، خلافت کی مادی طاقت کا اصول اسی مصلحت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اپنی مخصوص روحانی زندگی اور مخصوص مادی تمدن کو دنیا مین قائم اور باقی رکھہ سکین،

دنیا کی گذشتہ تاریخ جسطرح مظالم اور ستم آرائیون سے مملو رہی ہے، مستقبل تاریخ کے لئے کون ضمانت کرسکتا ہے وہ ایسی ہی یا اس سے بدتر نہو گی، اسی لئے دنیا کی وسیع

مملکت مین انسانون کی ایک خاص جماعت یعنی مسلمان اپنی بقا اور زندگی کے لئے عقیدۃً مجبور ہے کہ وہ دیگر برادران انسانی سے اپنے لئے ایک سایۂ امن کے طلبگار ہون، اور یہی خلافت ہے جو آغاز اسلام سے اتبک دنیائے اسلام مین قائم رہی ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ وہ آیندہ بھی قائم رہیگی، حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کے آخر مین لکھتے ہین،

فالصحابة رضي الله عنهم لما كانوا اقوم الناس بعد النبي صلعم باوامر الله عز وجلّ واطوعهم لله وكان نصرهم بحسبهم واظهروا كلمة الله في المشارق والمغارب ايدهم تائيدا عظيما وحكموا في سائر العباد والبلاد ولما قصر الناس بعدهم في بعض الاوامر نقص ظهورهم بحسبهم ولكن قد ثبت في الصحيحين من غير وجه عن رسول الله صلعم انه قال لا تزال طائفة من امتي ظاهرين على الحق ويضرهم من خذلهم ولا من خالفهم الى يوم القيامة وفي رواية حتى ياتي امر الله وهم كذالك وفي رواية حتى يقاتلون الدجال وفي رواية حتى ينزل عيسى بن مريم وهم ظاهرون وكل هذه الروايات صحيحة ولا تعارض بينها

صحابہ کرام آنحضرت صلعم کے بعد احکام الٰہی کے سب سے زیادہ پیرو تھے اور نصرت الٰہی بقدر اطاعت الٰہی ہے اور انھون نے خدا کے کلمہ کو مشرق اور مغرب مین غالب و نمایان کیا اور خدا نے انکی پوری تائید کی، انھون نے قومون اور ملکون پر حکومت کی، پھر جب لوگون نے صحابہ کے بعد بعض احکام الٰہی مین کمی کی تو انکی ترقی بھی اُنکے عدم اطاعت کے بمقدار کم ہوگئی، لیکن صحیحین مین یہ روایت متعدد طریقون سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت مین سے ایک نہ ایک گروہ قیامت تک حق پر غالب رہیگا اور اسکو کسیکا ترک نصرت اور مخالفت نقصان نہین پہنچائیگی، ایک روایت مین ہے کہ اسوقت تک غالب رہیگا جب تک خدا کا حکم آجائے (یعنی قیامت) اور اسوقت تک وہ اسی طرح غالب رہیگا، دوسری روایت مین ہے کہ جب تک دجال سے وہ قتال نہ کرلینگے ایک اور روایت مین ہے کہ جبتک عیسیٰ بن مریم نازل ہون وہ غالب رہین گے، یہ تمام روایتین صحیح ہین اور اُن مین باہم کوئی تعارض نہین۔

ایک غلطی کا اعتراف

شاہ ولی اللہ اشتیاق دہلوی

اردو شعراء کے پرانے تذکرون مین ایک شاعر شاہ ولی اللہ نام، اشتیاق تخلص دہلوی مسکن کا ذکر ہے، اور سب لوگ جانتے ہین کہ اس خاک پاک دہلی مین شاہ ولی اللہ نام وہ یگانۂ عصر پیدا ہوا تھا جس نے ہندوستان مین اسلام کے کالبد خاکی مین زندگی کی نئی روح پھونکی تھی، جسکی تصنیفات وخیالات نے ہندوستان مین تجدید ملت کا سب سے پہلا پتھر نصب کیا، حجۃ اللہ البالغہ انکی متروکات علمی مین سب سے زیادہ مشہور ہے، نیز ازالۃ الخفاء عن تاریخ الخلفاء اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین انکی متداول تصنیفات ہین، علم تفسیر و حدیث مین یہ اپنے عہد کے امام تھے، قرآن مجید کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا تھا، جو عام طور سے بازارون مین ملتا ہے خود مجددی طریقہ مین بیعت تھے، اور اسی طریقہ مجددیہ کے مرشد بھی تھے اور حضرت احمد مجدد الف ثانی کے خاندان سے انکے قریب کے تعلقات تھے، شاہ عبدالعزیز اس نامور باپ کے فرزند ارجمند تھے،

اُردو تذکرہ نویسون مین علی ابراہیم خان ایک بزرگ ہین، جنھون نے گلزار ابراہیم کے نام سے اردو شعراء کا فارسی زبان مین ایک تذکرہ ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء مین تالیف کیا سولہ سترہ برس کے بعد ۱۲۱۵ھ مین مرزا علی تخلص بہ لطف نے اس تذکرہ کو مع حذف و اضافہ گلشن ہند کے نام سے اُردو زبان مین منتقل کیا، ۱۹۰۶ء مین ایک صدی سے بھی زیادہ مدت کے بعد حیدرآباد دکن سے یہ تذکرہ چھپکر شایع ہوا، مولانا شبلی مرحوم نے

اس کتاب پر کچھ حواشی لکھے، جنمین مطالب کتاب کی تصحیح وتشریح کی ہے اور مولوی عبدالحق صاحب موجودہ ناظم انجمن ترقی اُردو نے اُسپر مقدمہ لکھا جسمین ایک حد تک کتاب مذکور پر تنقید وتبصرہ کا فرض انجام دیا، غرض یہ کتاب بڑی دہوم دہام سے چھپی شایع ہوئی اور ارباب علم کے ہاتھون مین آئی،

اس تذکرہ کے صفحہ ۴۳ مین شاہ ولی اللہ متخلص بہ اشتیاق کا تذکرہ ان الفاظ مین مرقوم ہے،

"اشتیاق تخلص، شاہ ولی اللہ نام، متوطن سرہند کے، اس رونق بخش دین احمدی کا سلسلہ ارادت شیخ احمد کو کہ مجدد الف ثانی جنکا لقب تھا پہنچتا ہے، علی ابراہیم خان مرحوم (اصل تذکرہ نویس صاحب گلزار ابراہیم) نے شاہ محمد گل کو جد انکا لکھا ہے، لیکن راقم حقیر کے گوش زد یہ مضمون نہین ہوا، فی الحقیقت مرتبہ علم کا اس عالی جناب کے نہایت بلند تھا، خصوص علم حدیث وتفسیر مین بڑی دستگاہ رکھتے تھے، یہانتک کہ اسم گرامی اس برگزیدۂ روزگار کا زبان خلائق پر آج کے دن تک شاہ ولی اللہ محدث کرکے جاری ہے، اکثر کتابین تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہین، چنانچہ دو نسخے کہ ایک کا نام "قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسین" ہے، اور دوسرے کا نام "جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ" کہتے ہین، تصنیفات سے اس محی الدین کی یادگار صفحۂ روزگار ہین، والد ماجد ہین، یہ اس رونق بخش کشورِ قناعت کے کہ جسکا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے آج کے دن تک قدم توکل گاڑے ہوئے شاہجہان آباد (دلی) مین بیٹھے ہین۔ ۔ ۔ ۔

الغرض وہ جامع جمیع علوم یعنی شاہ ولی اللہ مرحوم عین حیات مین اپنے کوٹلہ مین فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے، اوقات شریف کو بطور درویشان اہل معنی کے

"مصنف نے شاہ صاحب کے متعلق بعض غلطیاں بھی کی ہین، مثلاً اُنکی کتاب کا نام قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسنین لکھا ہے، حالانکہ نام کا دوسرا حصہ غلط ہے، ایک اور کتاب کا نام مناقب معاویہ بتایا ہے، حالانکہ اُنکی کوئی تصنیف معاویہ کے فضائل مین نہین، مصنف شیعہ تہا"

گلشن ہند کے مطبوعہ نسخہ مین اس مقام پر مولانا مرحوم کا حسب ذیل حاشیہ چھپا ہی،

"دونون نام (کتاب کے) غلط ہین، پہلی کتاب تفضیل شیخین مین ہے، شہادت امام حسین کے ابطال سے خدانخواستہ اُسکو کوئی تعلق نہین، دوسری کتاب تو بالکل فرضی ہے، معاویہ کے مناقب مین اُنکی کوئی کتاب نہین"

خمخانۂ جاوید کے مصنف نے بھی اسکی تقلید کی،

اگست ۱۹۱۷ء کے معارف مین، مین نے "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ایک شاعر کی حیثیت سے" ایک مضمون لکھا، جسمین انکے عربی و فارسی اشعار کا تذکرہ کیا اور تمہید مین یہ لکھا،

تاہم یہ کسی کو خیال بھی نہین ہو سکتا تہا کہ حجۃ اللہ البالغہ کا مصنف ایک اُردو یا فارسی کا شاعر بھی ہو سکتا ہے، ارباب معرفت اپنی خلوت راز مین جسکو شیخ العصر کہتے ہین، علماء اپنے حلقۂ درس مین جسکو امام الہند سے مخاطب کرتے ہین، کوئی کہہ سکتا تہا کہ بزم شاعری مین حضرت اشتیاق اُن کا خطاب ہے، مرزا علی لطف کے تذکرۂ گلشن ہند نے سب سے پہلے اس راز کو فاش کیا"

مین اسی خیال پر قائم تہا کہ اتفاق سے ایک دن میر قدرت اللہ قدرت کی کتاب طبقات الشعراء مین شاہ ولی اللہ اشتیاق کا تذکرہ میری نظر سے گذرا جسکی عبارت یہ ہے،

بسر کرتے تھے، اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمتر ہوتا تہا اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر"

یہ تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب کے تہوڑے ہی دنون کے بعد لکھا گیا ہی، اُنکے صاحبزادے شاہ عبد العزیز صاحب دلی مین اسوقت تک زندہ تھے، اسلیئے اس تذکرہ کو استناد کی حیثیت حاصل تھی، جن الفاظ مین شاہ صاحب کے اس نے حالات لکھے ہین وہ چند مشتبہ امور کے علاوہ تمامتر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصنف حجۃ اللہ البالغہ پر صادق آتے ہین ان مشتبہ امور کی نسبت ارباب نقد کی نگاہ کے سامنے دو راہین ہین، ایک یہ کہ سرے سے شاہ ولی اللہ اشتیاق، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث مصنف حجۃ اللہ البالغہ نہین ہین اور مصنف نے غلطی سے اسکو ایسا سمجھا ہے، لیکن قرب زمانہ کی وجہ سے اسکو جو استناد حاصل تہا اس بنا پر یہ راہ اختیار نہین کیگئی بلکہ دوسری راہ اختیار کیگئی اور وہ یہ ہے کہ یہ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے اور انہین کا تخلص اشتیاق تہا اور جن بعض تصنیفات کے غلط نام جو انکی اصل تصنیفات کے نامون سے ملتے جلتے ہین مصنف نے لکھے ہین وہ صحیح نہین ہین، چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے اس تذکرہ پر جنوری ۱۹۰۷ء مین جو دیباچہ لکھا تہا جسکا قلمی نسخہ دار المصنفین مین انکے ہاتھ کا لکھا موجود ہے اور جو گلشن ہند کے ساتھ اپنی اصلی صورت مین شائع نہین ہوا ہے، اسمین مولانا مرحوم نے اس بحث کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب محدث متخلص بہ اشتیاق کے حال مین لکھا ہے کہ کوٹلہ مین فیروز شاہ کے تشریف رکہتے تھے، اوقات شریف بطور درویشان اہل معنی کے بسر کرتے تھے، اشعار فارسی فرمانے کا کمتر اتفاق ہوتا تہا، اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر"

پھر اس عبارت پر حاشیہ دیکر مولانا مرحوم لکھتے ہین،

در حقائق و معارف آگاه، شاہ ولی اللہ، سرہندی، اشتیاق تخلص، نبیرۂ محمد گل

از اولاد شیخ احمد سرہندی در کوٹلۂ فیروز شاہ سکونت داشت، درویش دلریش

متوکل گاہے فکر ریختہ میکرد"

اس عبارت کے پڑھنے کے ساتھ مرزا لطف کی تحریر بے لطف معلوم ہونے لگی، اور دل میں کاوش پیدا ہوئی، کوئی دوسرا تذکرہ دار المصنفین میں موجود نہ تھا اسلئے خیال تھا کہ کبھی لکھنؤ جانیکا اتفاق ہو تو وہاں مزید تحقیق کیجائے، چنانچہ اسی اثنا میں لکھنؤ جانیکا اتفاق ہوا اور جناب مولانا سید عبد الحئی صاحب سے ملاقات کی اور سلسلۂ سخن میں اپنا شک و اشتباہ اُنکے سامنے پیش کیا، مولانا موصوف نے جو تاریخ ہند کے مسلم الثبوت استاد ہیں، میرے شبہہ کی تقویت کی اور یہ یقین دلایا کہ شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ دو شخص ہیں،

اب میں نے یہ پختہ ارادہ کیا کہ اس غلطی کے پردہ کو چاک کروں کہ اس اثنا میں میرا رکن وفد خلافت کی حیثیت سے یورپ جانا ہوا، وہاں بھی رہ رہ کر مجھے اس ازالۂ خطا کا خیال بار بار آتا رہا، لیکن سفر کی حیلہ جوئی نے طبیعت کو آمادہ نہ کیا، ۱۰۔ اکتوبر کو جب میں سفر سے اعظم گڈھ پہنچا تو جناب مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کا ایک والا نامہ موسومہ مولانا عبد السلام صاحب ندوی نظر سے گذرا جسمین انھوں نے لکھا تھا کہ شعر الہند لکھتے ہوئے شاہ ولی اللہ اشتیاق اور حضرت شاہ ولی اللہ مصنف حجۃ اللہ البالغہ میں تفریق کیجئے، اس خط کو پڑھکر مجھے خیال ہوا کہ سب سے پہلی فرصت میں اس مسئلہ کو صاف کردینا چاہئے،

اسی فکر میں تھا کہ کل ۱۴۔ اکتوبر کو مولانا شروانی کا بھیجا ہوا ایک رسالہ پہنچا جسمین جناب احسن مارہروی کا ایک مضمون اس مسئلہ پر نظر آیا اور یہ دیکھکر ایک طرف گو حیرت ہوئی کہ میری

اولیت کی فضیلت جناب احسن نے چھین لی، لیکن دوسری طرف نہایت خوشی ہوئی کہ . . . . موصوف نے نہایت سنجیدگی، متانت اور سلیقہ سے اس مسئلہ کو بخوبی طے کردیا ہے، اور اسمین گلشن ہند، مولانا شبلی اور میرے مضمون شائع شدہ معارف کی تصحیح کردی ہے، دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ انکو اس غلطی کا علم مولانا حالی مرحوم کی تقریظ خمخانۂ جاوید سے ہوا جسمین مولانا نے مصنف کی اس غلطی کی تصحیح کی ہے،

بہر حال آج جبکہ میں ان سطور کو لکھہ رہا تھا مولانا شروانی کا ایک دوسرا گرامی نامہ شرف صدور لایا جسمین وہ تحریر فرماتے ہیں،

"میر حسن دہلوی کا تذکرہ میرے سامنے ہے اسمین لکھا ہے:۔ شاہ ولی اللہ درویشے بود بکمال خوبی و اخلاق، المتخلص بہ اشتیاق، از اولاد مجدد الف ثانی نبیرۂ شاہ محمد گل، مولد او سرہند. . . ."

شاہ محمد گل کا اصلی نام شیخ عبد اللہ ہے، تخلص وحدت ہے، وہ صاحبزادے ہیں حضرت خازن رحمت محمد سعید صاحب کے جو صاحبزادے تھے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے (یہ نسب نامہ رسالۂ شہرۂ آفاق مولفۂ سید نور الحسن خان سے ماخوذ ہے)

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحب نہ تھے، میر حسن نے محدثیت وغیرہ کی جانب مثل صاحبِ گلشن ہند، ایما بھی نہیں کیا، میرے خیال میں اس مضمون کے بعد کسی اور مضمون کی حاجت نہیں، البتہ مولوی سید سلیمان صاحب پسند فرمائیں تو ایک نوٹ کے ذریعہ سے معاملہ کو صاف کردیں"

یہ میرے عمل اور مولانا کے خیال میں عجیب توارد ہوا،

مصریون کی مذہبی حالت

(۳)

از مولوی عبدالرزاق ندوی

(دیگر خرافات)

قبر پرستی کی طرح اور بھی بے شمار خرافات ہین جنکا شکار مصری ہو رہے ہین، صرف عورتین اور جاہل عوام الناس ہی نہین بلکہ بہت سے تعلیم یافتہ اور وہ حضرات بھی جو اپنے کو انتہائی فخر ومباہات سے نائبان رسول مین شمار کرتے ہین، ذیل مین بعض اوہام وخرافات "نمونتاً" حوالہ قلم کیُجاتے ہین،

(۱) ابرو کا پھڑکنا خوش نصیبی کی علامت ہے،

(۲) راستہ مین جنازہ کا، یک چشم کا یا احول (ڈھیری آنکھ والا) کا ملجانا شگون بد ہے،

(۳) یکشنبہ کو سفر کرنا نحوست ہے،

(۴) چہار شنبہ کو دودھ استعمال کرنا یا اسے مچھلی کے ساتھ کہانا شدید امراض کا باعث ہے،

(۵) شب مین بلی کو نہ مارنا چاہیئے، کیونکہ اکثر بلیون مین ملائکہ کی روح حلول کرجاتی ہے جو چشم زدن مین انسان کو خاک سیاہ کرسکتی ہے،

(۶) ہر بچہ کے ساتھ اسکی ایک جن بہن بھی ہوتی ہے، چنانچہ جب کوئی بچہ زمین پر گرپڑتا ہے تو اُٹھانے کے قبل مان اسکا نام لیتی، بسم اللہ کہتی اور پھر اسکی جن بہن کا نام لیکر بسم اللہ کہتی اور بچہ کو اُٹھالیتی ہے، کیونکہ اسکے گرپڑنے سے اسکا گرنا بھی لازم ہے، اور اگر اسکو بھی بسم اللہ

کہکر اور نام لیکر نہ اُٹھایا جائیگا تو وہ اُسے مار ڈالیگی،

(۷) محرم کی دسوین شب کو آسمان سے اشرفیون سے لدا ہوا گدہا اُترا کرتا ہے، اور کسی خوش نصیب لڑکے کو مل جاتا ہے، چنانچہ والدین بچوں کو اس رات مین شب بیداری کراتے ہین کہ دست بدعا رہین کہ یہ گدہا اُنکے گھر مین اُتر آے،

(۸) سورج گرہن مین بچون کو تاکید کیجاتی ہے کہ خوب شور وغل کیا کرین، اور پیپے بجائین تاکہ آفتاب پھر نکل آئے، کیونکہ انکے نزدیک اسکی یہ کیفیت اسوقت ہوتی ہے، جب فرشتے اُسے کہینچ کر سمندر مین ڈالدیتے ہین، اور مچھلی اُسے منھ مین لیکر نگلنا چاہتی ہے، لڑکون کے شور وغل سے وہ گھبراکر اُسے پھر اُگل دیتی ہے،

(۹) ہر ماہ کے آخری چہار شنبہ کو کپڑے دہونا، یا جمعہ کو اُن کا سینا نحوست ہے،

(۱۰) ہر گھر مین اُسکی حفاظت کے لئے ایک سانپ مقرر ہوتا ہے جسے "عامر البیت (مکان کا آباد کرنیوالا) کہتے ہین، چنانچہ جب وہ نکلے تو اُسے مارنا نہین چاہیئے، کیونکہ سید رفاعی ناراض ہوجاتے ہین، بلکہ اسے بحفاظت تمام گرفتار کرکے "سید" کے پاس روانہ کردینا چاہیئے، چنانچہ اسکے پکڑنے کے لئے وہ لوگ تلاش کئے جاتے ہین، جنکا یہی پیشہ ہے اور جو راستون مین "یا رفاعی مدد" "یا رفاعی مدد" چلاتے پھرتے ہین، یہ کافی مزدوری لیکر سانپ کو پکڑتے اور انہین مقام مقصود تک پہنچا دیتے ہین، ان لوگون کو "الحداۃ" کہتے ہین،

(۱۱) جب بچہ بیماری کی حالت مین ناک کہجانے لگتا ہے، تو یقین کرلیا جاتا ہے کہ اسکے دماغ مین کیڑے پڑگئے ہین، چنانچہ انکے نکالنے کے لئے منتر پڑہنے والون کو بلایا جاتا ہے جو بازارون مین "یا فرج" کی صدائین لگاتے پھرتے ہین، یہ آتے ہین اور بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہین، جس سے اسکی ناک اور منھ سے چند کیڑے زمین پر آگرتے ہین، جنہین انکے

منتر کی تاثیر پر محمول کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ مکار کیڑون کو مٹھی یا آستین مین چھپائے رہتے ہین، اور سر سہلاتے وقت اس صفائی سے گراتے ہین کہ بادی النظر مین وہ ناک سے گرتے ہوئے معلوم ہوتے ہین،

(۱۳) جب بچہ کالی کھانسی یا ہچکی کے مرض مین مبتلا ہوجاتا ہے تو بجائے علاج معالجہ کے اُسے کسی آبائی قصاب کے پاس لیجاتے ہین جو اسکے گلے پر اُلٹی چھری پھیر دیتا ہے، انکا خیال ہے کہ اس طرح بچہ شفایاب ہوجاتا ہے، اسی طرح جب بچہ لال بخار، تنفس یا چیچک مین مبتلا ہوتا ہے تو اسے مسلسل تین ہفتہ تک "اولاد عنان" کے مزار پر لیجاتے ہین، جہان مجاور اُسے ایک تنگ و تاریک کمرہ مین داخل کرنے اور انعام لینے کیلئے باواز بلند یہ کلمات پڑھکر اسپر دم کرتا ہے کہ "یا برکۃ الطاق وما فیہا، تشافیہ وتعافیہ! وأن کانت نفس تمنعوھا، وان کانت کافیۃ تزعجوھا، وأن کانت مشاھرۃ فکوھا! یا عنانیۃ تشفعوا لہ بالشفاء والعافیۃ تحفظ بدنک یا! ...... وقراھات العافیۃ فی لمک اجری کلم امک!" (ترجمہ) اے برکت طاق کی اور جو کچھ اسمین ہے اسے بھلا چنگا کردے، اگر انسانی روح ہے تو اُسے منع کردے، اگر بھوت ہے تو اسے دُور کردے، اگر بلا ہے تو اسے نکالدے، اے عنانیہ، اسکی صحت و تندرستی کی سفارش کر اے ...... (بچہ کا نام لیکر) اُٹھ، تندرستی کو اپنی آستین مین لا، اور دوڑ اپنی ماں سے باتین کر۔

اس مزار مین ایک کنوان بھی ہے جسکے متعلق عام اعتقاد یہ ہے کہ اسمین ایک ولیہ "ست سکرہ" (شکر کی بیوی) رہتی ہین جنکے لئے اسمین شکر چھوڑی جاتی ہے،

(۱۳) بچہ کا نام سنیچر کے دن رکھا جاتا ہے، جسکا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ تین شمعین جلائی جاتی ہین، اور ان مین سے ہر ایک کا علٰحدہ علٰحدہ نام رکھدیا جاتا ہے، ان مین سے جو شمع سب سے آخر تک جلتی رہتی ہے، اسی کا نام بچہ کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، یہ شمع بہت سے

چنون اور بندق کے دانون کے ساتھ چھلنی مین ڈالکر پھینکی جاتی ہے، ان کا خیال ہے کہ اس طرح بچہ کی عمر دراز ہوجاتی ہے،

(۱۴) "قرینۃ" ایک چڑیل ہے جسکے جسم پر سو بُتان اور کیلین ہوتی ہین، یہ رات کو خوبصورت عورت کے بھیس مین بن سنور کر نکلا کرتی ہے اور جو شخص اُسکی جانب ملتفت ہوجاتا ہے، اسے جھپٹ کر غائب کرلیجاتی ہے، (مگر حیرت ہے کہ اس عقیدہ کے باوجود بھی کمبخت فسق و فجور سے باز نہین آتے)

(۱۵) "مارد" ایک بھوت ہے جو شب مین ظاہر ہوتا اور آدمی کو تنہا پاکر اسکے گرد ایک دیوار بناکر اسے مقید کردیتا ہے،

(۱۶) اسی طرح اور بہت سے آسیب مثل "سماوی" اور "مغربی" وغیرہ ہین جو کبھی گدہے وغیرہ کی شکل مین نمودار ہوتے ہین، جو اس گدہے پر سوار ہوجاتا ہے وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور کبھی سیاہ کتے یا بلی کی صورت مین آتے ہین کہ جسکی آنکھین کٹورہ کی طرح بڑی بڑی اور انگارے برساتی ہین،

(۱۷) "زار" عورتون کا مخصوص آسیب ہے جو وقتاً فوقتاً اُن پر آتا اور انہین پریشان کرتا رہتا ہے، جب اسکا سایہ کسی عورت پر پڑ جاتا ہے تو وہ دنیا کے تمام کامون سے بیکار ہوکر ہر ایک سے اُلجھتی اور گھر مین قیامت برپا کردیتی ہے، چنانچہ آسیب اتارنی والی عورتین بلائی جاتی ہین، جو عورت کو خوب بنا چنا کر اپنے مکان لیجاتی یا اسی کے ہان کسی تنہا کمرہ مین اُسے بٹھادیتی ہین اور اسکے سامنے خوشبو سلگا کر ڈھول بجانا اور کچھ گانا شروع کرتی ہین، جس سے وہ مست ہوکر رقص کرنے لگتی، اور بسا اوقات بالکل برہنہ ہوجاتی ہے، چنانچہ مین نے خود ایک عورت کو از سرتاپا برہنہ ناچتے ہوئے دیکھا تھا، مصری اس زار سے بہت خوفزدہ

رہتے ہین کیونکہ جہان ایک مرتبہ اسکا پرچھاوان عورت پر پڑ گیا وہ شوہر کے ہاتھ سے گویا نکل گئی، واقعہ یہ ہے کہ یہ آسیب خود عورت کے نفس کا آسیب ہوتا ہے، جو اسپر اپنے اصلی شوہر سے نفرت کرنے اور کسی دوسرے سے محبت کرنیکی وجہ سے سوار ہوجایا کرتا ہے کہ وہ مذکورہ بالا عورتون کے ذریعہ سے اپنے دلبر تک بآسانی پہنچ جایا کرتی ہے،

(۱۸) ان بہوتون اور دیگر ارضی وسماوی بلاؤن سے محفوظ رہنے کے لئے طرح طرح کے گنڈے اور تعویذ استعمال کئے جاتے ہین، اور قسم قسم کی دعائین پڑہی جاتی ہین، یا گلاب اور زعفران سے کسی برتن پر لکھدیجاتی ہین، جسمین پانی پیا جاتا ہے، چنانچہ بعد نماز فجر یہ دعا پڑہی جاتی ہے "یاکشہشطیوش، یاکشہشطیوش! اُقمنی وَاُقم صورتی وذاتی ووجہی عندك وعند خلقك! آمین یا ارحم الراحمین!"

اسی طرح چیونٹیون کے دور کرنیکے لئے یہ دعا سبز پتون پر لکھی جاتی ہے، "اطلع الرب فنظر، والعیوب فستر، والذنوب فغفر، ارحل ایہا النمل کما رحلت الرحمة عن شیوخ القری الذین باعو الجفن باللقم ایا عنبج منبج نمرا،"

(۱۹) جس اونٹ کے منہ سے کف بہت خارج ہوتا ہے، اُسے بھی دلی سمجھتے اور اسکی بڑی آؤبہگت کرتے ہین،

(۲۰) محمل مصری کا شمار بھی اولیاے کرام کے زمرہ مین ہے،

(۲۱) بڑے بڑے قدیم درختون کی "ولایت" کے بڑی عزت ہوتی ہے، انکا عرس کیا جاتا ہے، اور نام کے بجاے اُنہین تعظیماً "سیدی اربعین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ "جامع حنفی" مین اس قسم کا ایک درخت موجود ہے جسے "شیخہ خضرة" (سبز بڑی بی) کہتے ہین، اسکی ازحد تعظیم وتکریم ہوتی ہے اور زائر دور دور سے آتے اور اسکے تنہ مین اپنی نشانیان کیلون کے ذریعہ سے ٹنکا دیتے ہین کہ "شیخہ خضرة" انہین یاد رکھین اور آڑے وقت مین کام آئین،

(۲۲) اسی مسجد مین ایک کنوان بھی ہے، جسے اس خیال سے بہت متبرک سمجھا جاتا ہے کہ اسکا سوت "چاہ زمزم" سے متصل ہے، چنانچہ مشہور ہے کہ کسی مصری حاجی کا کٹورہ چاہ زمزم مین گر گیا تہا جو مصر واپس ہونے پر اس کنوین سے اسے دستیاب ہوا،

(۲۳) قاہرہ مین ایک مشہور ومعروف پہاٹک ہے جسے "باب المتولی" کہتے ہین، اُس کی زیارت کو ہزارہا مرد اور عورتین روزانہ آتین، منتین مانتین اور چلتے وقت یادہانی کیلئے اسکی کیلون اور کنڈون مین کپڑون کی چیٹین یا بالون کی لٹین آویزان کرتی جاتی ہین،

(۲۴) قاہرہ کے قلعہ مین ایک عظیم الشان کنوان ہے جو اس اعتقاد کی بناپر مرجع خلائق ہو رہا ہے کہ اسمین حضرت یوسف قید کئے گئے تھے، چنانچہ روزانہ بیچاسون عورتین اولاد طلب کرنیکے لئے اسکی تہ تک جاتی ہین جنمین سے اکثر کی مراد پوری بھی ہو جاتی ہے، حضرت یوسف کی برکت سے نہین بلکہ نفس انسانی کی خباثت کی بدولت جو اس تیرہ وتاریک مقام مین خوب گل کہیلتی ہے، نعوذ باللہ من الخبث والخبائث،

قطع نظر تمام باتون کے اگر تاریخ کے آئینہ مین دیکہا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس کنوین کا حضرت یوسف سے کوئی تعلق نہین، کیونکہ قاہرہ تو ایک ہزار سال سے آباد ہوا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ مین وہان پر کسی آبادی ہونیکا قطعاً پتہ نہین چلتا، اسوقت تو مصر کا پایہ تخت "منفس" تہا جو قاہرہ سے بہت دور دریاے نیل کے دوسری جانب واقع تہا، اس کنوین کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے قلعہ مین پہاڑ تراش کر اس غرض سے بنایا تہا کہ بوقت ضرورت اسمین پانی جمع کیا جاسکے، چنانچہ ابتک وہ دولاب موجود ہین جنکے اُوپر کی نالیون مین سے نیل کا پانی اس کنوین تک پہنچا کرتا تہا، لیکن بُرا ہو جہالت کا جو انسان کو اندہا بہرا اور گونگا کردیتی ہے،

ان خرافات اور مشرکانہ خیالات کے علاوہ "عملیات اور کیمیا" کے خبط میں ہندوستانیوں کی طرح مصری بھی مبتلا ہیں، چنانچہ نہیں معلوم کتنے گھرانوں کو اس منحوس کیمیا نے نان شبینہ کو محتاج کر دیا، نجوم اور رمل کا بھی بڑا چرچا ہے اور ہندوستان سے کہیں زیادہ ہی چنانچہ سڑکوں پر صدہا مرد اور عورتیں سرخ ریت اور تاش کے پتے لئے بیٹھی رہتی ہیں، جنکے گرد مرد وزن کا مجمع اپنی پھوٹی ہوئی قسمتوں کا حال دریافت کرتا ہوتا ہے، ان بدبختوں سے نجومیوں کو بڑی آمدنی ہوتی ہے، چنانچہ ایک پنجابی نجومی اسمٰعیل نامی کا بازار خوب چمکا ہوا ہے، بڑے بڑے لوگ اسکی طرف رجوع کرتے اور دل کھول کر اُسے روپیہ دیتے ہیں،

داڑھی، مصریوں کی مذہبی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے داڑھی کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ کہنا ضرور ہے کیونکہ ہندوستان میں اُسے غیر معمولی اہمیت دیجاتی ہے جو ایک حد تک بجا بھی ہے، ہندوستانی مسلمان یہ معلوم کرکے سخت متعجب ہونگے کہ جس داڑھی کو وہ اسلام کی علامت سمجھتے ہیں اسے مصری یہودیت کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں، مصر میں بہت کم لوگ داڑھی رکھتے ہیں، کیونکہ وہ جسکے چہرہ پر ہوتی ہے اُسپر یہودیت کا شبہہ کیا جاتا ہے، چنانچہ خود مجھپر اس قسم کا ایک حادثہ گذر چکا ہے، اول اول جب میں مصر پہنچا تو اسوقت اگرچہ کم سنی کی وجہ سے میری داڑھی محض برائے نام تھی مگر جو کچھ تھی وہ بلا کم و کاست چہرہ پر موجود تھی، ایک روز میں مسجد میں بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ ایک مصری نے حیرت کے ساتھ مجھے دیکھکر سوال کیا کہ کیا "تم مسلمان ہو؟" مینے درشت لہجہ میں جواب دیا کہ کیا مصر میں کافر بھی نماز پڑھنے مسجد میں آتے ہیں، اسپر وہ شرمندہ ہوکر معذرت کرنے لگا، کہ مجھے کچھ اور شبہہ ہوا تھا، میں نے کہا کہ "ایسے شخص کے مذہب کے متعلق کیونکر شبہہ ہو سکتا ہی جو مسجد کے اندر وضو کر رہا ہو؟ اسپر اس نے میری داڑھی کی جانب اشارہ کرکے کہا کہ "اس سے"

میں نے کہا "چہ خوش یہ کیونکر"؟ اس نے جواب دیا کہ یہاں مصر میں عموماً یہودی ہی داڑھی رکھتے ہیں، اسلئے ہمیں ہر داڑھی والے پر یہودیت کا شبہہ ہوتا ہے،

اسی طرح جب دوران جنگ میں ہندوستانی فوجیں مصر پہنچیں تو سکھوں اور صاحبِ ریش مسلمانوں کو دیکھکر مصری بڑے تعجب سے کہتے تھے کہ ہندوستان میں یہودیوں کی بڑی کثرت ہے، اور دیکھو تو وہ کیسے شجاع معلوم ہوتے ہیں، لیکن داڑھی منڈے ہندوؤں کو مسلمان سمجھکر انکی عزت کرتے اور بڑے تپاک سے "السلام علیکم" کہکر مصافحہ کرتے مگر جب انہیں معلوم ہوجاتا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں تو اُنہیں گالیاں دیتے اور ان پر سنگباری کرتے!

چونکہ مصر میں داڑھی رکھنے کا رواج نہیں ہے اسلئے حجام بھی اسکے تراشنے اور درست کرنے میں ماہر نہیں ہوتے اور عموماً اسے خراب کر دیتے ہیں، اس خیال سے میں یہ خدمت خود ہی انجام دے لیا کرتا تھا،

مسلمانون کا دورِ تنزل ختم ہوگیا

از

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دار المصنفین

انحطاط وتنزل بالکل طبعی چیز ہے، اور

"طبعی چیزین کبھی متغیر نہین ہوتین، اسلئے زوال وانحطاط بھی وہ مزمن مرض ہے جسکی نہ دوا ہوسکتی، اور نہ وہ زایل ہوسکتا۔"[1]

لیکن وہ جس طرح افراد کے مزاج پر اثر ڈالتا ہے، اسی طرح قوم کا مزاج بھی اس سے متاثر ہوتا ہے، دنیا مین جس طرح افراد پیدا ہوکر پلتے، بڑہتے، نشو ونما پاتے، اور پھر جوان ہوکر بوڑہے ہوجاتے ہین، بعینہ اسی طرح قومون کے شباب، کہولت، اور شیخوخیت کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے جسمین اُنکے مزاج کے عناصر متغیر ہوتے رہتے ہین اور چونکہ

"مزاج ہی کا نام روح ہے، اسلئے لامحالہ تمام ظاہری اور باطنی اخلاق اسکے تابع ہوتے ہین"[2]

جنکو دیکھکر قومی مزاج کے تمام تغیرات وانقلابات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، لیکن یہ مزاج جو عناصر کی ترکیب سے پیدا ہوتا ہے، اسکے علاوہ ہر قوم کا ایک عقلی مزاج بھی ہوتا ہے جو اسکی تاریخ کا حقیقی ماخذ ہوتا ہے، اور درحقیقت زوال وانحطاط کے آثار اسی پر طاری ہوتے ہین لیکن یہ تنزل دو قسم کا ہوتا ہے، طبعی اور غیر طبعی، طبعی تنزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قوم کے

[1] مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ۲۴۳، [2] کتاب السیاستہ فی علم الفراستہ،

تمام اساسی اخلاق تدریجی طور پر فنا ہوتے ہین، بخلاف اسکے غیر طبعی تنزل مین ان پر دفعتہً زوال طاری ہوجاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کا مزاج عقلی چند دنون مین نہین پیدا ہوتا بلکہ اسکا خمیر سیکڑون برس کے بعد پختہ ہوتا ہے، اور اس درمیان مین قوم اپنی طفولیت، حداثت، بلوغ، شباب، رجولیت، اور سن متوسط کے تمام مراحل طے کرلیتی ہے، اسی طرح اُسپر زوال وفنا بھی دفعتہً طاری نہین ہوتا، بلکہ تدریجاً طاری ہوتا ہے، جسکی وجہ سے قوم سن کہولت، ہبوط، شیخوخت اولی، شیخوخت ثانیہ، ہرم اور اپنی عمر کے تمام آخری مراحل سے گذر جاتی ہے اور جب اس کے مزاج کی عمرِ طبعی ختم ہوجاتی ہے تو اسپر زوال آجاتا ہے، جس سے قوم ہمیشہ کے لئے پردۂ عدم مین چھپ جاتی ہے، لیکن یہ مزاج عقلی کے تنزل کی طبعی صورت ہے، اسلئے وہ قوم سب سے زیادہ متمدن اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہے،

"جسکے اساسی اصول کے فنا، وبقار کی مدت مین اتحاد ہو، یعنی جتنے دنون تک وہ قائم رہے ہین اتنے ہی دنون مین وہ فنا بھی ہون"[1]

لیکن جن قومون کی ترقی وتنزل کے زمانہ مین اتحاد نہین پایا جاتا وہ بہت جلد فنا ہوجاتی ہین اور ان کا تاریخ مین صرف نام ہی نام باقی رہجاتا ہے،

یہ نہایت عجیب بات ہے کہ دنیا کی تمام قومین غیر طبعی موت کا شکار ہوئی ہین اور اُنکو اس خوش قسمتی کا موقع نہین ملا ہے، کیونکہ عالم کائنات کا ایک فطری قانون یہ ہے کہ ایک جسم کے پیدا کرنے کے لئے جسقدر زمانہ درکار ہے اسکے فنا ہونے کے لئے اس سے بہت کم زمانہ کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ جو عضو اپنے عمل کو چھوڑ دیتا ہے اسکی عملی قابلیت

[1] انقلاب الامم صفحہ ۱۱۶،

اسی وقت معدوم ہو جاتی ہے"[1]

اسی بنا پر قوم کے تمام اخلاقی محاسن مثلاً جرأت، شجاعت، عزم و ارادہ، قوت و استنباط اگرچہ بہت دنون مین پیدا ہوتے ہین تاہم جب وہ اپنا محل استعمال نہین پاتے تو نہایت سرعت کے ساتھ فنا ہو جاتے ہین اور چونکہ قوم کے تمام تمدنی مظاہر کی بنیاد انہین پر قائم ہوتی ہے، اسلئے جب کبھی اُن مین تغیر پیدا ہوتا ہے تو دفعتہً تمدنی تاریخ کی عمارت بھی منہدم ہو جاتی ہے،

لیکن یہ کلیہ اسلام کی تاریخ مین غلط ٹھرتا ہے، کیونکہ مسلمانون کے اساسی اصول جتنے عرصہ تک قائم رہے ہین، اتنے ہی دنون مین اُن پر زوال بھی طاری ہوا ہے اور اسلئے مسلمانون کی خوش قسمتی مین کیا کلام ہو سکتا ہے؟ تاہم چونکہ یہ ایک اہم تمدنی نظریہ ہے، اسلئے ہم اسپر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین،

تمدنی تاریخ کے علماء مین علامہ ابن خلدون اور ڈاکٹر لیبان نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اسکا اصلی مرجع قوم اور سلطنت ہے، اس بنا پر یہ کلیہ بھی انہین دونون چیزون پر صادق آسکتا ہے، اسمین کچھ شک نہین کہ ہر قوم اور ہر سلطنت کی ایک طبعی عمر ہوتی ہے جسمین وہ بڑھتی ہے، نشو و نما پاتی ہے، عروج حاصل کرتی ہے، اور پھر اپنی ترقی کا دور ختم کر کے اوج رفعت سے حضیض ذلت مین گر جاتی ہے، لیکن اسلام کسی قبیلہ یا قومیت کا نام نہین ہے، اسلئے اس نے اپنے متبعین کو قومی اور نسلی امتیازات سے الگ رکھا ہے اور سعادت دنیوی کے حاصل کرنیکا مدار قومی عصبیت یا نسبی شرافت کے بجائے اعمال صالحہ کو ٹھرایا ہے، اس بنا پر اسکے جھنڈے کے نیچے مختلف قومیت، مختلف جنسیت اور مختلف قبائل کے لوگ جمع

[1] انقلاب الامم صفحہ ۵۴،

ہوئے ہین، جنھون نے مختلف زمانون مین عروج حاصل کیا ہے، اسلئے اگرچہ انفرادی حیثیت سے یہ قانون ہر قوم اور ہر سلطنت پر منطبق ہو سکتا ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے اسکا کوئی اثر نہین پڑ سکتا، کیونکہ اسوقت یہ تمام حلقے مل کر ایک مسلسل زنجیر بنجاتے ہین جو قانون قدرت کے توڑنے سے ٹوٹ نہین سکتی،

بہرحال مسلمانون کا متحدہ مزاج عقلی قانون قدرت کی حکومت سے بالکل آزاد ہے، اسلئے وہ جس طرح تدریجی طور پر پیدا ہوا تھا، اسی طرح بتدریج فنا بھی ہوا ہے، اور یہ وہ خیال ہے جسکی تائید مین تاریخ اسلام کے ہزارون صفحات پیش کئے جا سکتے ہین، لیکن قبل اسکے کہ ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہون ہمکو تاریخ طبعی کی روشنی مین حیات انسانی کے تمام تغیرات و انقلابات کا مطالعہ کر لینا چاہیئے،

علماء طبیعیین نے حیات انسانی کے تیرہ دور قائم کئے ہین جنمین انسان کے قوائے طبعیہ اور عقلیہ پر مختلف قسم کے تغیرات طاری ہوتے رہتے ہین، چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) حیات انسانی کا پہلا دور زمانۂ طفولیت سے شروع ہوتا ہے، اس سن مین انسان کو صرف رنج و غم اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے، اسمین رغبت و ارادہ کے جذبات پیدا ہوتے ہین، چیزون پر حکم لگانیکی قابلیت پیدا ہوتی ہے، اور اس دور کے اختتام تک اسکو ہر شے کا احساس ہونے لگتا ہے،

(۲) دوسرے دور مین جسکو سن حداثت کہتے ہین، انسان کے دل مین امیدین پیدا ہوتی ہین وہ اپنے مستقبل کی نسبت ایک راے قائم کر سکتا ہے اور اسکے تمام عقلی خصوصیات اور حواس نشو و نما پاتے ہین،

(۳) سن بلوغ مین جو انسان کی زندگی کا تیسرا دور ہے غرور اور امید پیدا ہوتی ہے،

اس زمانہ مین وہ محبت ذات، بے پروائی، غرور اور آزادی کو پسند کرتا ہے، لیکن جب یہ
چیزین حد اعتدال سے متجاوز ہوجاتی ہین تو معائب بنکر اسکی جسمانی اور اخلاقی زندگی کو برباد
کردیتی ہین،

(۴) سن شباب مین جو حیات انسانی کا چوتھا دور ہے، عشق، لذت، طیش، شجاعت اور
عدم استقلال کے جذبات پیدا ہوتے ہین، اور چونکہ اس سن مین انسان پر عشق اور لذت کا
غلبہ ہوتا ہے، اسلئے وہ صرف انھین چیزون کے اسباب مہیا کرنے مین مصروف رہتا ہے،

(۵) سن رجولیت مین انسان کو طمع دامنگیر ہوتی ہے، اور ترقی کرنیکا خیال پیدا ہوتا ہے،
یہ سن طبعی اور عقلی عیش و مسرت کا زمانہ ہوتا ہے، اسلئے اسمین انسان کی جسمانی حالت نہایت
بہتر ہوتی ہے، اسپر ہمہ وقت ایک نشاط چھایا رہتا ہے، اور اسکی عقل کامل ہوجاتی ہے،
اسی سن مین اسکو آفات زمانہ سے محفوظ رہنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی مدافعت کا
پورا سامان کرتا ہے،

(۶) سن متوسط مین جسکو شباب ثانی بھی کہتے ہین، انسان مین ثبات اور استقلال پیدا
ہوتا ہے، کیونکہ اس زمانہ مین اسکے تمام قوائے جسمانیہ و عقلیہ اپنی نشو و نما کے انتہائی مدارج
طے کرلیتے ہین، اسلئے اب اسکو روپیہ جمع کرنیکی فکر ہوتی ہے، وہ فخر کو پسند کرتا ہے اور اپنی
عزت و عظمت کی ترقی کے لئے کوشش کرتا ہے، اس عمر مین اسکی تمام امیدین ذاتی عمل سے
وابستہ ہوتی ہین، اور چونکہ وہ سوسائٹی مین معزز ہوکر رہنا چاہتا ہے، اسلئے رات دن اسی
دُھن مین لگا رہتا ہے اور اسکے لئے گھر بار، اہل و عیال، ساز و سامان غرض کسی چیز کی بھی
پروا نہین کرتا،

(۷) سن کہولت مین انسان پر عقل و فہم اور حکمت و دانش کا اثر غالب ہوتا ہے، اور وہ

سن متوسط مین اپنی محنت و مشقت سے جو روپیہ پیدا کرتا ہے، اس سے اس سن مین فائدہ
اٹھاتا ہے، کیونکہ اب اسکے مزاج مین عیش پسندی آجاتی ہے،

(۸) سن ہبوط مین انسان زیادہ آرام طلب ہوجاتا ہے، اسمین تدبر و تفکر کے اوصاف
پیدا ہوتے ہین، اسلئے اسکے تمام کامون مین حزم، احتیاط اور پختگی پائی جاتی ہے، لیکن
اسکے قوائے جسمانی اور عقلی مین انحطاط شروع ہوتا ہے، اسکا جسم سرد پڑجاتا اور اس کا
احساس کم ہوجاتا ہے،

(۹) شیخوخیت کے دور اول مین انسان پر تکلیف، حسرت، اور رنج و غم غالب آتے ہین،
کیونکہ اسکے قوٰی کمزور ہوجاتے ہین، اسکا دل افسردہ ہوجاتا ہے، اسکے بال سفید ہوجاتے
اور دانت گرجاتے ہین، اور اس سے نشاط کلیۃً معدوم ہوجاتا ہے، اسلئے اسکی آنکھون مین
ہر وقت موت کی تصویر پھرتی رہتی ہے،

(۱۰) شیخوخیت کے دور ثانی مین ضعف بڑھجاتا اور تکلیف زیادہ ہوجاتی ہے، جس سے
انسان ہر وقت غضبناک رہتا ہے، اور وہ اپنے احکام کی تعمیل فوراً کرانا چاہتا ہے، ایسے
ہمنشینون کو پسند کرتا ہے جو اسکے مزاج کے مطابق ہون اور اسکی ہر راے سے متفق رہتے ہون
اسمین حسد و غیرت کے جذبات پیدا ہوتے ہین، جس سے وہ نوجوانون کو لہو و لعب اور چستی
و چالاکی کے کام کرتے ہوئے دیکھ نہین سکتا، اسکے عقلی خصوصیات روز بروز فنا ہوتے
جاتے ہین اور اسکے طبعی فرائض مین بھی خلل واقع ہوتا ہے،

(۱۱) سن ہرم مین انسان کا ضعف اور بڑھ جاتا ہے، اسکو کان سے اونچا سنائی دیتا ہے
اور آنکھ سے صاف طور پر دکھلائی نہین دیتا، اسلئے اسمین سوء ظن پیدا ہوتا ہے اور وہ عزیز و
بیگانے کسی پر اعتماد نہین کرتا، اسمین محبت ذات پیدا ہوجاتی ہے، جس سے وہ اپنی واقعات

مبالغہ آمیز طور پر بیان کرتا ہے،

(۱۲) سن ہرم کے بعد ایک اور زمانہ آتا ہے جسکا نام سن تمدو الاجل ہے، اس مین انسان زمانۂ طفولیت کی طرف عود کرتا ہے، اسمین بچون کے سے خواص پیدا ہوجاتے ہین، اور اسکو اپنے جذبات پر قابو نہین رہتا، اس زمانہ مین اسکے حواس بالکل جواب دیدیتے ہین، اسکی آنکھین بے نور ہوجاتی ہین، اسکے کان صرف دہماکون کو سُنتے ہین، اور اسکی عقلی زندگی بالکل مردہ ہوجاتی ہے، اسلئے وہ انسانی زندگی کے حدود سے نکل کر نباتی زندگی کے حدود مین داخل ہوجاتا ہے،

(۱۳) اسکے بعد حیات انسانی کا آخری دور ہے، جو "سن منتہی" کہلاتا ہے، یہ انسان پر شاذ و نادر آتا ہے، اسمین آدمی بالکل اندھا اور بہرا ہوجاتا ہے، اسکی قوت لامسہ، شامہ اور ذائقہ بالکل معدوم ہوجاتی ہین اور اُسپر طبعی اور دماغی حیثیت سے عدم طاری ہوجاتا ہے،[۱]

لیکن یہ تمام دور صرف افراد ہی پر طاری نہین ہوتے بلکہ قومون پر بھی طاری ہوتے ہین، اور اُنکا قوم کی زندگی پر وہی اثر پڑتا ہے جو افراد کی زندگی پر پڑتا ہے، چنانچہ آغاز اسلام مین جب مسلمانون کی طفولیت کا زمانہ تہا وہ صرف رنج و غم اور ضرورت کا احساس کر سکتے تھے، صحیح بخاری مین حضرت خباب رض کی جو شکایات مروی ہین وہ اسی کی مؤید ہین، اور حضرت بلال، عمار، اور صہیب وغیرہ کے واقعات بھی اسی کی تائید کرتے ہین، اسی زمانہ مین مسلمانون کو اشاعت اسلام کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور حضرت ابوبکر نے چند اشخاص کو خفیہ طور پر مسلمان کیا، لیکن تین برس کے بعد جب مسلمانون کو اپنی قلت اور کمزوری کا احساس ہوا تو وہ اسلام کی دعوت علانیہ طور پر دینے لگے، اس دور کے بعد اسلام کا سن حداثت

[۱] انسان کی تاریخ طبعی مولفہ موسیو ڈوبی صفحہ ۵۴۱ تا ۵۵۴،

شروع ہوا جسمین امیدین پیدا ہوئین اور مسلمانون نے اعلان دعوت کے اثرات کو دیکھکر اپنے مستقبل کی نسبت رائے قائم کی، اسلئے اگرچہ اسوقت تک انکو بہت زیادہ کامیابی حاصل نہین ہوئی تھی، تاہم جب کفار قریش نے ابوطالب سے آنحضرت کی شکایت کی اور انھون نے آپکو بت پرستی سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے صاف جواب دیا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ مین سورج اور دوسرے مین چاند لاکر دیدین تب بھی مین اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا،[۱] اسکے بعد تیسرا دور شروع ہوا جو اسلام کے سن بلوغ کا زمانہ ہے، اور اسکی ابتدا ہجرت حبشہ سے ہوئی، قریش کی سخت مزاحمتون کے باوجود اسلام کے دائرہ مین جو وسعت پیدا ہوگئی تھی اس نے مسلمانون کو اپنی کامیابی کا یقین دلادیا تہا، اسلئے وہ باہم ایک دوسرے کے سخت ہمدرد ہوگئے تھے، اور قریش کے مظالم کو حقارت اور بے پروائی کی نظر سے دیکھتے تھے، اور چونکہ اسوقت ان مین قریش کی جابرانہ حکومت سے آزاد ہونیکا خیال پیدا ہوگیا تہا، اسلئے انھون نے دربار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور جناب رسالت پناہ نے اشاعت اسلام کی غرض سے طائف کا سفر اختیار فرمایا، اسکے علاوہ حج کے موسم مین جو قبائل عرب کے تمام صوبون سے آکر مکہ مین جمع ہوتے تھے، آپ انکے خیمون مین جاکر اسلام کی تبلیغ فرماتے تھے، تاکہ ان کا ملک مسلمانون کا دار الہجرۃ ہو، اب اسلام کا چوتھا دور شروع ہوا جو اسکا عہد شباب ہے، کفار کے مظالم برداشت کرنے اور اسلام پر قائم رہنے سے مسلمانون کو جو لذت حاصل ہوئی تھی اسکا یہ اثر تہا کہ بہت سے صحابہ نے ہجرت حبشہ پر مکہ کی اقامت کو ترجیح دی، اور اپنی توجہ کو تمامتر اشاعت اسلام کی طرف مبذول کردیا، اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب انصار ایمان لائے اور مدینہ دار الہجرۃ قرار پایا تو مسلمانون پر

[۱] سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۹،

کامیابیون کا دروازہ کھل گیا، کیونکہ اب اُنکو اپنی شجاعت کے جوہر دکھلانے اور کفار سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا، اور چونکہ وہ کفار کے ظلم و ستم سے عاجز آگئے تھے، اسلئے جب غزوۂ بدر مین ان کا مقابلہ ہوا تو مسلمانون نے اس جوش سے جنگ کی کہ ۹۰۰ کفار صرف ۳۰۰ آدمیون سے شکست کھا گئے، غزوۂ بدر کے بعد اور بھی متعدد غزوات پیش آئے جنمین کفار کو شکست ہوئی اور صرف نو برس کی قلیل مدت مین تمام عرب پر مسلمانون کا قبضہ ہوگیا، اسکے بعد وہ اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوئے اور باقاعدہ اشاعت اسلام کا کام شروع کیا، جس سے آنحضرت کی وفات تک تمام عرب مسلمان ہوگیا، لیکن باایں ہمہ چونکہ یہ مسلمانون کے شباب کا زمانہ تھا، اسلئے عدم استقلال کی بھی بعض مثالین ملتی ہین، مثلاً غزوہ احد مین آنحضرت شہر کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے، لیکن بعض پرجوش نوجوانون نے باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا اور چونکہ کثرت انہین کو حاصل تھی اسلئے آپ نے اُنکی تائید فرمائی،[1]

اسکے بعد پانچوان دور شروع ہوا اور اسکی ابتدا خلافت فاروقی سے ہوئی، اس زمانہ مین مسلمانون کو ملک گیری کا خیال پیدا ہوا، اور اُنکو ترقی کرنیکی خواہش ہوئی، یہ زمانہ درحقیقت اسلام کا سن رجولیت تھا، جسمین طبعی اور عقلی عیش و مسرت کی جھلک نظر آتی تھی، کیونکہ اب مسلمان جسمانی اور دماغی دونون حیثیتون سے مکمل ہوگئے تھے، وہ نہایت قوی، تنومند اور بلند و بالا ہوتے تھے، اُنکے نفوس مین ہر وقت ایک نشاط پایا جاتا تھا، انکے خیالات بلند ہوگئے تھے، اور ان مین علوم و فنون کا عام رواج ہوگیا تھا، اسلئے وہ آفات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اور جو چیزین اُنکی ترقی مین سدِ راہ ہوتی تھین اُنکو ہٹا دیتے تھے،

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۲۶ جلد ۲

لیکن چونکہ اس زمانہ مین انسان پر حرص و طمع کا غلبہ ہوتا ہے، اسلئے اسلام مین اسکا یہ منظر نظر آیا کہ خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ مین امیر معاویہ مدعی خلافت ہوئے، جنکے دعویٰ خلافت سے اسلام کا چھٹا دور شروع ہوا، یہ اسکا سن متوسط یا شباب ثانی تھا، جسمین مسلمانون مین استقلال اور ثبات پیدا ہوگیا تھا، کیونکہ اب انکی تمام جسمانی اور دماغی قوتین انتہا تک پہنچ چکی تھین، اور وہ مال و دولت کے جمع کرنیکی طرف مائل ہوگئے تھے، چنانچہ خود صحابہ مین اس قسم کا ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا جسکی مخالفت مین حضرت ابوذر غفاری نے انتہائی کوششین کی تھین جو ناکامیاب رہین، بہرحال اقتضائے سن کے مطابق اس زمانہ مین مسلمانون کی امیدون کا دار و مدار عمل ذاتی پر تھا، وہ فخر و مباہات کو پسند کرتے تھے، اور اُن مین سوسائٹی مین امتیاز حاصل کرنیکا خیال پیدا ہوگیا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے اہل و عیال کو چھوڑکر دور دراز مقامات مین نکل جاتے تھے، جہان اُنکو صرف اپنے مقاصد کے حاصل کرنیکی فکر رہتی تھی، چنانچہ سلطنت بنو امیہ جو نصف صدی کے اندر اندر سندہ اور ترکستان سے لیکر افریقہ اور اسپین تک پھیل گئی تھی، انہین کوششون کا نتیجہ تھی،

لیکن ان عظیم الشان فتوحات کے باوجود بنو اُمیہ مین سلطنت اور جاہ و عظمت کی حرص زیادہ ہوتی گئی، جس سے اسلام کا ساتوان دور شروع ہوگیا، جو اسکے کہولت کا زمانہ ہے، اب خلافت کے تخت پر بنو عباس متمکن ہوئے، جنکے زمانہ مین یہ خیال پیدا ہوا، کہ جو ممالک مسلمانون کے قبضہ مین آچکے ہین اُن پر مستحکم طور پر قبضہ کیا جائے، اور اُن سے نفع اٹھایا جائے، اس خیال نے مسلمانون کو عیش پسند اور کاہل بنا دیا، اور اُنکی فتوحات دفعتہً رک گئین، یہی وجہ ہے کہ سلطنت عباسیہ کے حدود کبھی سلطنت بنو امیہ سے زیادہ وسیع نہین ہوئے، اسکے علاوہ اُنکے مزاج کے عناصر مین حکمت اور تعقل کا غلبہ ہوگیا تھا، اور جب کسی قوم کے

مزاج مین تعقل کا عنصر غالب ہو جاتا ہے، تو اسکے اساسی اخلاق مین انحطاط شروع ہو جاتا ہے
جس سے اسکی ترقی رک جاتی ہے، اسکے بعد آٹھوان دور شروع ہوا جو اسلام کا سن ہبوط ہے
اسمین مسلمانون مین غور و فکر کا غلبہ ہوا، وہ تفکر اور تدبر کے عادی ہو گئے، اور انکی آرام طلبی
اور عیش پسندی بڑھ گئی، اس زمانہ مین اگرچہ انکے ہر کام مین حزم، احتیاط اور پختگی پیدا
ہو گئی تھی، تاہم چونکہ وہ ناز و نعمت کی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو گئے تھے، اسلئے انکے
فوجی جذبات مین تنزل شروع ہوا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دور مین علوم و فنون کو جسقدر
ترقی ہوئی کبھی نہین ہوئی تھی، اسی زمانہ مین وہ بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوے جنکے غلغلہ سے
آج تمام دنیا گونج رہی ہے، تاہم ممالک اسلامیہ کے حدود مین کسی جدید ملک کا اضافہ
نہین ہوا، اسوقت تمام دنیاے اسلام پر ترک قابض تھے، جنکی چھوٹی چھوٹی حکومتین ہر جگہ
قائم تھین، اور جنمین اتحاد و یکجہتی کا احساس باقی نہین رہا تھا، یہ تمام اسباب ایسے تھے،
جن سے خود بخود نوین دور کا آغاز ہوا، یعنی اسلام پر شیخوخیت کا پہلا دور آیا، جس نے
مسلمانون کے دماغ کو تکلیف، درد، رنج و غم، اور یاس و حسرت سے لبریز کر دیا، یہ آٹھوین
صدی ہجری کا زمانہ تھا جسکی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین شکایت کی ہے کیونکہ
اس زمانہ مین مسلمانون کے قواے جسمانیہ اور عقلیہ پر انحطاط طاری ہو گیا تھا، اُن کے
اعضاے جسمانی کمزور ہو چکے تھے، ان کا دل افسردہ ہو چکا تھا، اور ان سے نشاط اور
ہمت فنا ہو چکی تھی، اور یہ تمام چیزین انکو موت کی دھمکی دے رہی تھین،

اسکے بعد دسوان دور شروع ہوا جو اسلام کی شیخوخت ثانیہ کا زمانہ ہے، اس مین
مسلمانون کا ضعف زیادہ بڑھا، اور انکی اخلاقی حالت اسقدر تباہ ہو گئی کہ اسکو دیکھکر شاہ
ولی اللہ صاحب کی آنکھ سے خون کے آنسو جاری ہو گئے ہین، جن سے فوز الکبیر کا ہر صفحہ

ایک لالہ زار بنگیا ہے، اسی زمانہ مین مسلمانون کی بہت سی سلطنتین انکے قبضہ سے
نکل گئین، جسکی وجہ یہ تھی کہ انکے مزاج مین حسد کے ساتھ ساتھ غصہ بھی پیدا ہو گیا تھا
اسلئے اغیار کو ان سے فائدہ حاصل کرنیکا موقع ملا، اور انھون نے مسلمانون کے مزاج کو
اپنے موافق بنا کر دراندازی شروع کی، جس سے مسلمانون مین نفاق پیدا ہوا، اور ہر صوبہ نے
اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ممالک اسلامیہ مین اغیار کے قدم نہایت
مضبوطی کے ساتھ جم گئے، اور چونکہ اس زمانہ مین مسلمانون کی عقلی خصوصیات فنا ہو گئی تھین،
اسلئے کسی کو احساس تک نہوا، اور وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے سے قاصر رہے، ان چیزون نے
انکے ضعف کو اور بڑھایا، اور اب اسلام کا گیارھوان دور شروع ہوا جو اسکا سن ہرم ہے
اس دور مین مسلمان بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے اور چونکہ وہ اپنے سرمایہ ہوش و حواس کو
ضایع کر چکے تھے اسلئے ان مین بدظنی کا مرض پیدا ہو گیا، اور وہ بیگانون کی طرح یگانون سے بھی سوء ظن
رکھنے لگے، ان مین محبت ذات نہایت شدت کے ساتھ ترقی کر گئی، اور وہ صرف اپنے کارنامے
مبالغہ آمیز طریقہ سے بیان کرنے لگے، ان باتون نے انکو ایک دوسرے دور مین پہنچایا جو اسلام کا
بارھوان دور ہے، اس دور مین مسلمان ہر چیز سے بے پروا ہو گئے، انکی بصیرت کی آنکھین بے نور ہو گئین اور انکے
کانون سے صداے حق کے امتیاز کی قابلیت مفقود ہو گئی اسلئے اب وہ ہر آواز کے سننے کی طاقت نہین رکھتے تھے،
انکو صرف بادل کی گرج اور برق و صاعقہ کی کڑک ہی اپنی جانب متوجہ کر سکتی تھی۔

بہر حال اس تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ مسلمانون کی ترقی و تنزل انکے مزاج عقلی
کے تغیرات کا نتیجہ ہے، اور انکے فنا اور بقا کی مدت مین پورا پورا اتحاد پایا جاتا ہے کیونکہ
انکی ترقی کا زمانہ ساتوین صدی مین ختم ہو گیا تھا، اور آج انکا تنزل بھی چودھوین صدی
مین ختم ہو رہا ہے، اسلئے تاریخی حیثیت سے مسلمان نہایت خوش قسمت قوم ہے،

تلخیص و تبصرہ

رُوح کی حقیقت

رقمزدہ پروفیسر فیروزالدین مراد ایم ایس سی ایم اے، اوکالج علی گڈھ

(۱) منجملہ[1] ان تمام مظاہر فطرت کے جن سے ہم آشنا ہین وہ مظاہر جو "حیات روح" کے تحت مین رکھے جاتے ہین یا جو بالفاظ دیگر نفس انسان کے وظائف اور اعمال مخصوصہ سے وابستہ ہین ایک لحاظ سے نہایت ضروری اور اہم ہین گو وہ بہت ہی دقیق اور متنازعہ فیہ بھی ہین چونکہ کارخانہ قدرت کے متعلق معلومات حاصل کرنا، جو اس کتاب کا فلسفیانہ مبحث ہے خود حیات روح کا ایک جزو ہے، اور چونکہ علم الانسان بلکہ علم الکائنات بھی نفس (انسانی) کے متعلق صحیح معلومات کا محتاج ہے، اسلئے ہم علم النفس یعنی روح کے حکیمانہ (سائنٹفک) مطالعہ کو دیگر تمام علوم کی بنا، او رصل مان سکتے ہین، دوسرے نقطۂ نگاہ سے یہی علم النفس، فلسفہ یا علم افعال الاعضا یا علم الانسان کا ایک جزو متصور ہو سکتا ہے،

(۲) علم النفس کو ایک فطری بنیاد قائم کرنے کے لئے انسانی نظام الاعضا سے اور بالخصوص دماغ سے جو فعلیت نفسی کا خاص مستقر ہے، صحیح واقفیت درکار ہے، اکثر عالمان نفسیات روح کے اس جسمانی مسکن کے احوال سے یا تو بالکل بے بہرہ یا بہت ہی کم آشنا ہوتے ہین، اسی سبب سے یہ خرابی واقع ہوتی ہے، کہ بخلاف دیگر علوم کے علم النفس کے موضوع اور صحیح معنی کی تشریح و توضیح مین بہت سی تناقض اور بعید از عقل باتین پائی جاتی ہین، گذشتہ

[1] یہ مضمون جرمن پروفیسر ہیکل کی شہرۂ آفاق تصنیف "معمۂ کائنات" سے مقتبس ہے،

تیس سال مین یہ تناقض اور علم النفس کے موضوع سے صحیح واقفیت نہونیکے بد نتائج تشریح الابدان اور افعال الاعضا کی شاندار ترقی اور دماغ کی ساخت اور طبعی وظائف کی بہتر تفہیم کے دوش بدوش اور بھی زیادہ نمایان ہوگئے ہین،

(۳) میری دانست مین لوگ جسکو روح سے تعبیر کرتے ہین وہ ایک مظہر فطرت ہے، لہذا مین علم النفس کو علوم طبعی کی ایک شاخ اور علم افعال الاعضا، کا ایک جزو سمجھتا ہون، اسلئے شروع ہی مین مجھے نہایت زور سے یہ بتا دینا چاہیئے کہ اس علم مین (یعنی روح کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے) ذرائع تفحص صرف وہی ہو سکتے ہین، جن سے دوسرے علوم طبعی مین کام لیا جاتا ہے یعنی سب سے پہلے ہمین مشاہدہ اور تجربہ سے کام لینا چاہیئے، دوئم نظریۂ ارتقاء سے اور سوئم مابعد الطبیعیاتی قیاسات کی وساطت سے بذریعہ استدلال و استقرا، مظاہر نفسی کی کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، لیکن اس مسئلہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرنیکی خاطر ہم ناظرین کے سامنے "ثنویت اور وحدیت" کے نظریون کا تضاد پیش کرتے ہین،

(۴) فعلیت نفسی کا عام تصور جسکے ہم مخالف ہین، رُوح اور جسم کو دو متبائن ہستیان تسلیم کرتا ہے (اسی بنا پر یہ قیاس نظریۂ ثنویت کہلاتا ہے، اور اسکی مفصل تشریح فلسفۂ ثنویت کے نام سے موسوم کیجاتی ہے) یہ دونون ہستیان ایک دوسرے پر منحصر نہین ہین اور نہ ہی انکا اتحاد انکے وجود کے لئے لازمی ہے، ذی اعضا جسم ایک فانی اور مادّی حقیقت رکھتا ہے اور اسکی کیمیائی ترکیب مواد زندہ اور اسکے مرکبات سے ہوئی ہے، برعکس اسکے روح ایک غیر فانی اور غیر مادّی ہستی اور ایک ملکوتی عامل ہے، جسکی پر اسرار زندگی اور فعلیت انسانی عقل کی دسترس سے متجاوز ہے، یہ عامیانہ قیاس اپنے دعوی کے لحاظ سے روحانی اور غیر مادّی کہلاتا ہے اور اسکے بالمقابل مذہب کو مادّی کہا جاتا ہے، یہ غیر مادّی قیاس حدود ثبوت سے

متجاوز ایک فوق الفطرت قیاس ہے کیونکہ اسمین ایسی قوتون کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے جنکی فعلیت کسی مادی اصل کی محتاج نہین ہے، اس قیاس کی بنیاد ایک مفروضہ "روحانی" غیر مادی عالم ہے جسکا ہمین کچھ شعور نہین ہے، اور جو مادی دنیا کے ماورا اس طور سے موجود ہے کہ معمولی طبعی ذرایع تحقیقات کی وساطت سے ہمین اسکا مطلقاً کچھ علم حاصل نہین ہو سکتا۔

(۵) یہ موہوم "عالم ارواح" جسے مادی کائنات سے بالکل جدا اور آزاد مانا جاتا ہے اور جسکے اوپر فلسفہ تنویت کے مصنوعی ڈہانچے کا سارا دار و مدار ہے، سب کا سب شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، اسی عقیدہ کے متوازی جو مذہب "بقاے روح" یا "عدم فنار روح" کو مانتا ہے اسکے متعلق بھی متذکرہ صدر تنقید کیجا سکتی ہے، "بقاے روح" کا سائنٹفک طور پر ناممکن ہونا ہم آیندہ ابواب مین ثابت کر دکہا ئینگے، اگر اس عقیدہ کی جو ضعیف الاعتقاد از زود اعتبار آدمیون کے حلقہ مین عام ہے کوئی حقیقی اصلیت ہو تو وہ مظاہر جو اس عقیدہ سے متعلق ہین، "ناموس مواد"، کے (یعنی قانون عدم فنار مادہ، اور قانون عدم فنار قوت جنکی مفصل تشریح آیندہ ابواب مین کیجائیگی) تابع نہین ہو سکتے، علاوہ ازین کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی یہ واحد استثنار تاریخ عالم مین بہت دیر کے بعد ظاہر ہوئی ہوگی، کیونکہ اسکا تعلق صرف انسان اور اعلیٰ حیوانات کے "روح" یا نفس ناطقہ سے ہے، نفسیات تنویہ کا ایک دوسرا ضروری عنصر، یعنی "عقیدۂ اختیار" بھی اسی طرح اس عالمگیر ناموس مواد کے بالکل غیر مطابق ہے،

(۶) فعلیت نفسی یعنی روح کی زندگی اور اصلیت کے متعلق ہمارا طبعی قیاس یہ ہے کہ مظاہر روح تمام دیگر مظاہر فطرت کے مانند ایک مخصوص مادی جوہر پر منحصر ہین، فعلیت نفسی کی اس مادی بنار کو جسکے بغیر یہ تصور مین آہی نہین سکتی ہم "کنلتہ النفس" کے نام سے

موسوم کر سکتے ہین، اور اس طریق تسمیہ کا سبب یہ ہے کہ کیمیائی تحلیل و تجزیہ کی رو سے یہ کنلتہ الادلی یا مواد زندہ کی قسم کے اجسام مین شامل ہے، جو انڈے کی سپیدی کی طرح کاربن کے وہ پیچیدہ مرکبات ہین جنپر تمام روحی حرکات و سکنات اور اعمال حیات کا انحصار ہے، اعلیٰ حیوانات مین سے جو نظام عصبی اور مخصوص منتقرات حواس رکہنے کے اہل ہین، کنلتہ النفس مین سے عصبی مادہ یعنی کنلتہ الاعصاب بھی الگ کیا جا چکا ہے، مشرحہ صدر نقطہ نگاہ سے روح کے متعلق ہمارا یہ قیاس مادی کہا جا سکتا ہے، علاوہ ازین اس قیاس کو فطری اور مشاہدہ پر مبنی بھی کہہ سکتے ہین، کیونکہ ہمارے سائنٹفک تجربہ نے آج تک ہمین ایسی مافوق الفطرت قوی یا عالم ارواح کے وجود کا پتہ نہین دیا جو معمولی قواے فطری یا مادی دنیا سے ارفع و اعلیٰ ہون،

(۷) دیگر تمام مظاہر قدرت کی طرح تغیرات نفسی اور افعال روحی بھی عالمگیر ناموس مواد کے زیر نگین ہین، یہان بھی کائنات کے اس اعلیٰ ترین قانون کی کوئی استثنار نہین پائی گئی، (ملاحظہ ہو باب دوازدہم) نباتات اور حیوانات کی ادنیٰ ترین اقسام کی حقیر حیات نفسی کے مظاہر یعنی انکا اشتعال پذیر ہونا انکے اضطراری افعال اُنکی حسیت اور خود تحفظی کی جبلت، ان کے خلایا کے اندر مواد زندہ مین اُن طبعی اور کیمیاوی تغیرات کا نتیجہ ہوتے ہین جو کچھ تو کسباً اور کچھ وراثتاً حاصل کیے جاتے ہین، اعلیٰ حیوانات اور انسان کی ممتاز حیات نفسی کے متعلق یعنی خیالات اور تصورات کے مرتب ہونے اور عقل و شعور کے حیرتناک مظاہر کی بابت بھی ہمین بجنسہ یہی راے قائم کرنی چاہیئے، کیونکہ موخر الذکر اعلیٰ حیات نفسی کے متعلق علم ارتقاء انواع بتاتا ہے کہ یہ متقدم الذکر ادنیٰ حیات نفسی کی ارتقائی (یعنی تدریجی طور پر ترقی یافتہ) شکل ہے جو مختلف ادنیٰ حیوانات کے متفرق وظائف حیات کے اتحاد، اختلاف اور ایک

مرکز تک ترقی کرجانے سے منتج ہوجاتی ہے،

(۸) ہر علم کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے موضوع اور مبحث کو واضح طور پر بیان کرسکے، دنیامین کسی دوسرے علم کے لئے اس فرض اولین کی ادائگی مین علم النفس سے زیادہ زحمت کہین لاحق نہین ہوتی، کیونکہ منطق جسکی وساطت سے یہ فرض ادا کیا جاسکتا ہے خود علم النفس کا ایک جزو ہے، جب ہم مختلف زمانون کے ممتاز ترین فلسفیون، حکیمون اور عالمان سائنس کے ان اقوال کا جو علم النفس کے تصور اساسی کی بابت منقول ہین یکجا جمع کرکے بنظر امعان مطالعہ کرتے ہین تو متناقض آرا اور متبائن خیالات سے حیران وسرگردان ہوجاتے ہین، "روح" درصل کیا ہے؟ "دماغ" یا انسانی نفس ناطقہ سے اسکا کیا تعلق ہے؟ شعور کے حقیقی معنی کیا ہین؟ حس اور وجدان مین کیا فرق ہے؟ جبلت (جسے عرف عام مین عقل حیوانی بھی کہتے ہین) کیا ہے؟ "علم حضوری" کسکو کہتے ہین؟ فہم اور عقل مین کیا فرق ہے؟ "جذبہ" کی صلیبت کیا ہے؟ جسم اور ان تمام مظاہر نفسی کے درمیان کیا علاقہ ہے؟

ان سوالات اور انکے مماثل دیگر متعدد سوالات کے جوابات مین بیحد وحساب اختلاف رہا ہے، نہ صرف بڑے بڑے اہل الرائے علماء کے خیالات مین ان مسائل کے متعلق تضاد واختلاف ہے، بلکہ غضب تو یہ ہے کہ بہت سے علماء نے جنکی قابلیت مین کسی قسم کا شک وشبہہ نہین ہوسکتا اپنی دماغی ترقی کے مختلف منازل طے کرتے ہوے بسا اوقات اپنی پوری پوری رائین بدلدی ہین، امر واقعہ یہ ہے کہ اتنے کثیر التعداد اہل فکر کی "دماغی قلب ہیئت" نے علم النفس کے تصورات مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا ہے۔

(باقی)

ہربرٹ اسپنسر

انگلستان کے نامی دگرامی فلسفی ہربرٹ اسپنسر کی ولادت کو پوری ایک صدی ہوگئی اس تقریب سے حال مین اسکے متعلق متعدد مضامین انگریزی جراید ورسایل نے شایع کئے ہم ذیل مین اس مضمون کا ترجمہ درج کرتے ہین جو پروفیسر ڈی، آر، ٹامسن نے جماعت عقلیین کے مشہور ماہانہ رسالہ لٹریری گائیڈ مین شایع کیا ہے، یہ واضح رہے کہ خود پروفیسر موصوف کا شمار اسوقت انگلستان کے ممتاز علماء مین ہے،

ہربرٹ اسپنسر کی تاریخ ولادت آج سے ٹھیک سو برس قبل، ۲۷- اپریل ۱۸۲۰ء ہے، لیکن دنیا مین جتنے تغیرات اس صد سالہ مدت مین ہوئے، یا جتنی طویل اس صدی کی عمر معلوم ہوتی ہے اسکے لحاظ سے موجودہ تاریخ عالم مین کسی پچھلی صدی کو اسکی نظیر نہین قرار دیسکتے، اسپنسر کی وفات ۸- دسمبر ۱۹۰۳ء کو واقع ہوئی، اور اس حساب سے اسے واقع ہوے سولہ سال سے کچھ ہی زاید عرصہ گذرا، لیکن ہم مین سے اکثرون کو یہ شانزدہ سالہ مدت قریبا قرن کے برابر معلوم ہوتی ہے، ان اشخاص کے ذہن مین اسپنسر کی یاد بالکل تازہ ہے، لیکن ایسے کبیر السن اشخاص گنتی کے چند ہین، دوسری طرف نوجوانون کی عام جماعت کے نزدیک اسپنسر کی ایک فراموش شدہ شخصیت ہے، اور ایک اسپنسر پر کیا موقوف ہے انکے نزدیک وہ سارا دور ہی مہمل تھا

ہمارا مقصد اسوقت اسپنسر کی مدح وذم دونون سے الگ، اسکی سالگرہ کے موقع پر کچھ دیر کے لئے اسکی بابت سوچنا ہے۔

مین نے اسپنسر کے ساتھ ایک میز پر بیٹھکر کھانا کھایا ہے، مین نے آتشدان (انگریزی ڈرائنگ روم کا ایک لازمی جزو) کے پاس بیٹھکر اس سے مکالمت کی ہے، میرے پاس اسکے چند مکاتیب محفوظ ہین، اور اگرچہ مجھے اس سے بے تکلفانہ دوستی کا شرف کبھی نہین حاصل ہوا تاہم مجھے فخر و مسرت ہے کہ مجھے اس سے شخصًا ملاقات تھی، مین اسکے فلسفہ کا قایل نہین، اور نہ اسکے اصول کا متبع ہون، تاہم مین اپنے خزانۂ حافظہ مین اسکی یادداشتون کو نہایت عزیز رکھتا ہون میری نوعیت حیات اپنی تشکیل و تعیین مین اسکے اثرات سے کافی متاثر ہوئی، اور مین پاتا ہون کہ بعض دفعہ بلا قصد و اضطرارًا بھی اسکے خیالات کو دہراتے اور اُسیکی زبان بولنے لگتا ہون،

ملکہ وکٹوریا آج زندہ نہین اور نہ اسکے عہد کے مشاہیر رجال زندہ ہین، ایک گروہ کا خیال ہے کہ اسکا عہد آج اس سے زیادہ فراموش شدہ ہے، جتنا ملکہ این (متوفیہ ۱۷۱۴ء) کا ہے، یہ خیال ایک حد تک ضرور صحت و سنجیدگی رکھتا ہے، اور جس حد تک صحیح ہے، تاریخ کے عجائبات مین داخل ہے یہ عجوبۂ تاریخی بار بار تجربہ مین آتا رہتا ہے کہ "حال" کی ذہن مین جو شئے سب سے زیادہ فراموش شدہ ہوجاتی ہے وہ ماضی بعید نہین بلکہ ماضی قریب ہی ہوتا ہے، "آج" سب سے زیادہ "کل" ہی کا دشمن ہوتا ہے، اِدہر ہم اپنے مُردون کو دفن کرکے آئے، اور اُدہر جدید احباب پیدا کرلئے اور اپنے روزانہ مشاغل مین منہمک ہوگئے، شراب کہنہ کی طرح مشاہیر رجال کی شہرت کو بھی پختگی تک پہنچنے مین کافی عرصہ لگتا ہے، اور قبل اسکے کہ انکی پختگی شہرت کا زمانہ آئے ہم خود ہی دنیا سے رخصت ہوجاتے ہین (اسلئے عظمت و کمال کا اندازہ کئی نسلون کے بعد جاکر ہوتا ہے،

اسپنسر کی بابت مین نے کئی برس ہوئے ایک مضمون لکھا تھا، اور اسوقت مین یہ سمجھتا تھا کہ اسکے خاص خاص واقعات سب کو معلوم ہین، لیکن آج کی صحبت مین انہین کو مختصرًا بیان کردینا چاہتا ہون، اسپنسر کے آبا و اجداد ڈربی کے سیدھے سادے دیہاتی تھے، ایک زمانہ مین انکے

پاس کچھ جائداد تھی، مگر رفتہ رفتہ وہ ہاتھ سے نکل گئی، اور اسپنسر کے دادا نے اپنے قصبہ مین ایک چھوٹا سا مدرسہ اپنی معاش کے لئے قائم کیا، اسپنسر کے والد جارج اسپنسر ایک بدقسمت شخص تھے، بیسون کام انھون نے شروع کئے، مگر کامیابی کسی مین بھی نہوئی، اس زمانہ مین ایجاد و اختراع کی گرم بازاری تھی، اور انھون نے بھی اختراع کی کوشش کی، پہلے کئی برس انھون نے فیتہ سازی کی کل بنانے پر اپنا سارا سرمایہ اور وقت صرف کیا، لیکن کچھ نہ حاصل ہوا، اس کے بعد چرم سازی، پیمائش زمین اور مذہبی گروہ مین داخل ہونیکی دھن رہی، بالآخر انھون نے ایک مدرسہ کھول لیا کہ اکثر ناکام و نااہل افراد کا آخری سہارا یہی ہوتا ہے، لیکن باایں ہمہ وہ بالکل بے مغز یا نااہل نہ تھے، انکی درسی تعلیم برائے نام تھی، لیکن انھون نے اپنی ذاتی کوشش سے خوب معلومات بہم پہنچائے تھے، خصوصًا سائنس سے متعلق، اور برابر علل و اسباب کے کھوج مین لگے رہتے تھے، اپنی رائے پر بڑی مضبوطی سے اڑے رہنے والے، بحث مین کبھی نہ ہار ماننے والے خود احکام ضمیر کے پابند، مگر دوسرون پر بڑی نکتہ چینی کرنیوالے، کسی کی حکومت نہ سہنے والے تقلید سے متنفر، اور دوسری طرف قوت عمل مین کمزور، اور ظرافت، بذلہ سنجی اور فنون لطیفہ کے ذوق سے یکسر معری، یہ انکی خصوصیات زندگی کا خلاصہ تھا،

اسپنسر کا ننہالی خاندان ایک بالکل دوسری طرز کا تھا، سولھوین صدی کے آخر زمانہ مین بہت سے بیرونی خاندان نواح اسٹربرج مین آکر آباد ہوگئے تھے، مثلاً لورین (فرانس) کے کمہار اوہیمیا کے شیشہ ساز، اور اس سے پہلے اہل نارمنڈی کا ایک معزز خاندان ان سب نوآبادون نے باہم رشتۂ ازدواج قائم کیا، اور اسپنسر کی والدہ اسی مشترک و مخلوط نسل کی رکن تھین، یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس طرح فولاد کسی نادر تر دھات کے مل جانے سے اپنی خوبیون مین کئی گنا بڑھجاتا ہے، اسی طرح شجرۂ نسب مین بیرونی خون کی آمیزش سے غیر معمولی آب و تاب

پیدا ہو جاتی ہے، اسپنسر کو اپنے نسب پر بہت ناز تہا، لیکن میرے نزدیک وہ جتنی اہمیت اپنے
اسلاف کی حریت پسندی وپابندی ضمیر وغیرہ کی سمجھتا تہا، اتنی اپنے شیشہ ساز اجداد کی کمال
دستکاری کی نہین سمجھتا تہا،

اسپنسر کی ابتدائی خانگی زندگی بالکل ہی خشک ومحدود قسم کی تھی، اسکے والد گرفتار افلاس
تھے. گھر مین مسرت وشادمانی کا نام نہ تہا اور تقریبات مسرت ایک طرف، دوست احباب
یک کا وجود عنقا تہا، لیکن اسپنسر کے دادا اور چچا صاحبان بڑے ہی "بحاث" اور مناظرہ پسند تھے
ملک مین اسوقت کاروباری حیثیت سے زلزلہ آیا ہوا تہا، اس زمانہ مین یہ حضرات ہر قسم کے
سیاسی، مذہبی ومعاشری مسئلہ پر خوب جی کھول کر مناظرہ کرتے رہتے تھے، اور اسپنسر کو اس لفظی
جنگ آزمائی مین شرکت کے مواقع بچپن ہی سے ملنے لگے، اسکی تعلیم کا اصلی بار ایک چچا کے
سر پڑا، اور یہ تعلیم تہی ہی کیا؟ ابتدائی ریاضی، لاطینی ویونانی کی ابجد (جسے اپنے مذاق طبیعت سے
بالکل متغایر پاکر کچھ ہی عرصہ مین اس نے چھوڑ دیا) ڈرائینگ اور انگریزی انشا کے ذرا اونچے
اسباق، بس یہی اسکی تعلیم کی کل کائنات تھی، بچپن کی اس بے توجہی وکم استعدادی کی تلافی
اس نے سن رشد پر پہنچکر جس مستعدی ومشقت کے ساتھ کی وہ حیرت انگیز ہے، ابھی اسکا سن
کل سترہ برس کا تہا کہ اُسے لندن اینڈ برمنگھم ریلوے کے دفتر انجینیری مین نقشہ نویسی کی جگہ
مل گئی، ریل سازی کا خبط اُسے نیا نیا شروع ہوا تہا، اور ہر طرف اسی کا زور وشور اسکی
چیخ وپکار تھی، چنانچہ کچھ ہی روز کے بعد اس نو آموز انجینیر کے تحت مین (۸۰) آدمی کام کر رہے تھے
جو ہیر ورڈ کے پل کی تیاریون مین لگے ہوئے تھے، چار سال تک اسکی زندگی بھی اسی تعمیری
خبط کے لئے وقف رہی، آگے چل کر اسے خود اس تضیع وقت پر افسوس رہا، اور وہ اس زمانہ کو
اپنے زندگی کے بیکار حصہ سے تعبیر کرتا رہا، تاہم یہی وہ زمانہ ہے جسمین اسکے قوی اپنی پختگی کو

پہنچے، ذہن کی پوری تربیت ہوئی، اور اس سے بڑھکر یہ کہ انجینیر ومعمار کا مذاق طبیعت اسمین
راسخ ہوا، جسکا اثر یہ ہوا کہ آیندہ وہ واقعات عالم کو بھی اسی میکانکی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا
خوگر ہو گیا،

باالآخر اسپنسر اس مشقت سڑک سازی سے اُکتا گیا، اور اپنے والد کی خدمت کی غرض سے
اس ملازمت سے استعفا دیدیا، والد بزرگوار اسوقت ایک برقی مشین کی تیاری کی ذہن مین تھے
لیکن اسکا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پیشتر دوسری اختراعات کا ہو چکا تہا، یعنی یہ مشین بھی نہ
چل سکی، اب ریلوے سازی کا خبط ملک مین سرد پڑ چکا تہا، روزگار کا ملنا دشوار ہو گیا تہا اور
انیسوین صدی اپنی چوتھی دہائی مین قدم رکھ چکی تھی، جو افلاس ونا داری کا دور تہا، مجبوراً ہربرٹ
اسپنسر نے لندن مین آکر قیام اختیار کیا کہ اپنے قلم کے ذریعہ سے کچھ پیدا کرین، اسوقت اسکی عمر
۲۳ سال کی تھی، اسکے اس دور زندگی کا ابتدائی حصہ بہت ہی افسوسناک ہے، مضامین واپس
آتے تھے، قدر دانی کیا معنی، کوئی بات تک نہ پوچھتا تہا، اور مفلسی کا چارون طرف سامنا تہا،
لیکن اسکا استقلال بے نظیر تہا، اور محنت وجفاکشی مین کبھی کمی نہ آئی، اس نے چھوٹے چھوٹے
مخترعات تیار کرنے شروع کئے، اور حیرت یہ ہے کہ انہین سے اسے مالی منافع بھی ہونے لگے،
خاصکر ایک الپین کے ایجاد واختراع سے تو جو طومار کا غذات کی شیرازہ بندی کے لئے تھی،
اسے ۵۰ ہ پونڈ حاصل ہوئے! اسی درمیان مین اسے کبھی کبھی انجینیری کا کام بھی ملتا رہا، اور
بعض اخبارات بھی خبرون کی ترتیب وغیرہ مین اس سے اجرت پر کام لیتے رہے، غرض
کسی نہ کسی طرح وہ بغیر کسیکا دست نگر ہوئے اس زمانہ مین اپنی گذر کرتا رہا، اور فرصت کے
اوقات نکال کر پڑہنے اور لکہنے کے مشاغل بھی جاری رکھے،

اسپنسر کی عمر جب ۳۰ سال کی ہوئی تو اس نے اپنی پہلی تصنیف سوشل اسٹیٹکس شایع کی

جامعیت و ہمہ گیری، جسکی سعی وہ اپنی ہر آیندہ تصنیف مین کرتا رہا، اسکی جھلک اس پہلی تصنیف مین بھی نمایان ہے، اس کتاب کا موضوع ایک نظام اخلاق کو پیش کرنا تھا جسکی تفصیل و تکمیل اس نے بعد کو اپنی پرنسپلز آف ایتھکس مین کی، اخلاق کی تعریف اس نے یہ کی کہ وہ ضبط و منع کی چند دفعات کے مجموعہ کا نام نہین بلکہ اس نظام کا مفہوم آزادی کے ان حدود کو متعین کرنا ہے جنکے مطابق عمل کرنے سے مقاصد حیات پورے لطف و لذت کے ساتھ حاصل کئے جاسکتے ہین، گویا محکومی و اطاعت نہین، بلکہ آزادیٔ عمل، حقوق انسانی کی اہم ترین دفعہ، اور حیات انسانی کی غایت اصلی ہے، مسئلۂ ارتقا کی داغ بیل اسی کتاب سے پڑی، اور کلیۂ بقاے اصلح کی بھی، جسکے معنی یہ ہین کہ نسل کے قوی تر عناصر باقی اور ضعیف تر فنا ہوتے رہتے ہین، ابتدائی تشریح اس کتاب مین ملتی ہے، نیز انسان اور موجودات کے باہمی فعل و انفعال تاثیر و تاثر، اور تشکیل ہیئت اجتماعیہ (یہ نظریہ اگرچہ ارسطو بیان کر چکا تھا لیکن اسپنسر کا بیان اس سے ماخوذ نہین،) کی تصریحات اسی کتاب مین ملتی ہین، اس کتاب کا شمار اسکی اعلیٰ تر تصانیف مین نہین، تاہم اس نے ایک خاص امتیاز بہت جلد حاصل کر لیا، اسپنسر کے متبعین و مخالفین اسی وقت سے پیدا ہونے لگے، جنکا سلسلہ آخر وقت تک قائم رہا، چند ہی سال کے بعد ہندوستان کے ایک بڑے عہدہ دار نے اسپنسر کو یقین دلا دیا کہ ہندوستان کے ایک بڑے صوبہ کی حکومت تمامتر اسکی اسی کتاب کے اصول و قوانین کے مطابق کیجاتی ہے،

اسکی کتاب جس دار الاشاعت سے شایع ہوئی تھی، وہان ہر ہفتہ ارباب علم کا مجمع ہوا کرتا تھا، اسپنسر کی آمد و رفت وہان شروع ہوئی، اور چند ہی روز مین اسکی شہرت لندن کی علمی دنیا مین پھیل گئی، اب اسکی زندگی ایک بے یار و آشنا گوشہ نشین کی زندگی نہ تھی، بلکہ اب اُسے اپنے حلقۂ احباب مین جارج ایلیٹ[1] و لوئیس[2]، ادوین[3] و ہکسلے[4]، فاربس[5] و ہوکر[6]، بین[7] و میسن[8] کے

شمار کرنیکا شرف حاصل تھا، چند روز اور گذرے اور وہ علمی دنیا کے ہر ممتاز رکن سے نہ صرف روشناس تھا، بلکہ خود اسکا بھی شمار اسی جماعت مین تھا، اسپنسر نے جس سرعت سے معاشرتی عزت مین ترقی کی وہ حیرت انگیز ہے، اسے احباب آفرینی مین کمال حاصل تھا تاہم اسکی ذمہ داری ایک حد تک اسکے معاصرین کی علمی فراخدلی پر ہے، اسوقت کی دنیا موجودہ دنیا سے چھوٹی تھی، علم کی قدر زیادہ اور دولت کی وقعت کمتر تھی، ممکن ہے میری راے غلط ہو لیکن مین اپنی جگہ پر تو یہ باور نہین کر سکتا کہ آج بھی ایک مفلس و گمنام نوجوان اس آسانی سے اپنے معاصرین سے ہمدردی و عزت حاصل کرنے مین کامیاب ہو سکتا ہے،

یہان اسکی حاجت نہین کہ ان تمام تصانیف کا خلاصہ بیان کیا جاے، یا انکے نام ہی شمار کردیئے جائین، جنکا سلسلہ ۱۸۵۵ء مین پرنسپلز آف سائیکالوجی (اصول نفسیات) سے شروع ہوا، یہ نظام فلسفۂ ترکیبی کی سلسلہ کی پہلی قسط تھی، جسمین آگے چلکر اصول اولیہ کے شمول کے ساتھ اصول حیاتیات، اصول نفسیات، اصول عمرانیات، اصول اخلاقیات کے مجلدات تیار ہوئے،

اس سارے نظام فلسفہ کا مرکز مسئلۂ ارتقا ہے، ممکن ہے کہ اسکا تخم اسپنسر کے دل مین لائل کی اصول ارضیات کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، (جبکہ اس نے اپنی ملازمت ریلوے کے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) [1] انگلستان کی مشہور ناول نویس خاتون، جسکے ناولون مین فلسفۂ سیرت بشری کی بہترین عقدہ کشائی ملتی ہے، [2] اول الذکر کا شوہر، فلسفہ و سائنس، ادب و شاعری کا ایک ممتاز عالم، [3] علم الحیات کا ماہر، [4] علم الحیات اور سائنس کے دیگر اصناف کا استاذ الاساتذہ، [5] سائنس کا عالم، [6] نباتات کا مشہور ماہر، [7] فلسفہ، نفسیات، و منطق کا ایک نامور عالم [8] منطق کا پروفیسر، (معارف)

زمانہ مین خرید کیا تھا) جیساکہ ڈارون کے دل مین اس معرکۃ الآرا تصنیف کے مطالعہ سے پیدا ہوا تھا کچھ روز کے بعد ڈارون کی تصنیف اصل الانواع شایع ہوئی، اسپنسر اسکی تعلیمات کے لئے بصرف تیار رہتا، بلکہ بعض حیثیات سے اس سے چند قدم آگے تھا جس طرح ڈارون اپنے نظریات کو حیاتی وحیوانی مسایل پر روز افزون شرح وبسط کے ساتھ چسپان کرتا رہا، اسی طرح اسپنسر نے مدۃ العمر اپنی توجہ ارتقار کے نفسیاتی، معاشری واخلاقی پہلوؤن کی توضیح وتشریح پر مصروف رکھی،

اسپنسر کی تصانیف کے بعض مقامات اگر آج پایۂ تحقیق سے ساقط نظر آتے ہین تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسی شمع سے صدہا شعلین اتبک روشن ہو چکی ہین، علم الحیات کے محققین آج ڈارون کی تحقیقات کو کب وحی والہام کے مرتبہ پر رکھتے ہین؟ درانحالیکہ چند سال پیشتر تک اسکی تصانیف پر سب بے چون وچرا ایمان رکھتے تھے، بااین ہمہ علم الحیات کی عمارت کی بنیاد آج بھی ڈارون ہی کی تحقیقات ہے، یہی حال اسپنسر کا بھی ہے، اسکی تصانیف کا آج شاذونادر مطالعہ کیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح کہ جیسے دیدرو اور روسو کا مطالعہ متروک ہو گیا ہے اور ہمین کوئی خاص تکلیف نہین محسوس ہوتی، لیکن اگر اسپنسر اور ان دونون کا وجود نہوا ہوتا تو آج کونسی کتابین قابل مطالعہ ہوتین،

ارتقار کا ناگزیر و نامتناہی سلسلہ کائنات کے ہر شعبہ مین عامل ہے، جس سے فلسفہ مستثنی نہین، ہر دور مین ایک جدید فلسفہ رواج پاتا ہے، اور پچھلے دور کا فلسفہ متروک ہو جاتا ہے، لیکن آزادئ خیال انسان کا ایک مسلم فطری حق قرار پا چکی ہے، اب اس سے اسے کوئی محروم نہین کر سکتا، اور انیسوین صدی کا یہ کارنامہ عقلیت جسقدر ڈارون و اسپنسر کا ممنون ہے، کسی اور کا نہین، اسپنسر کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ اسکی عقلیت اور فلسفہ ارتقار کے

ما وراء اسرار کا وجود ہی نہین، بلکہ ہکسلے کی طرح وہ ان چیزون سے متعلق خاموش ومصالحانہ لا ادریت کا عقیدہ رکھتا تھا، اور ان مسائل کو اپنے دائرۂ تحقیقات وفہم سے مافوق سمجھتا تھا،

اسپنسر نے عمر طبعی کو پہنچکر اور ہر قسم کا اعزاز حاصل کر چکنے کے بعد وفات پائی، اسکے انتقال پر انگلستان کے اکثر مشاہیر نے جنمین ہر طبقہ، ہر عقیدہ، اور ہر جماعت کے افراد شامل تھے، اور احباب وتلامذہ ومعتقدین نے یہ الحاح درخواست کی کہ اس نامور کی خاک کو قومی قبرستان ویسٹ منسٹر ایبے کے ایک گوشہ مین جگہ دیجائے تاکہ دیگر مشاہیر وطن کے پہلو مین اسکی بھی دائمی یادگار قائم رہے، لیکن یہ استدعا منظور نہوئی، دفن کے بعد ایک عالم و فصیح البیان شخص لارڈ کورٹنے نے ایک موثر و دلاویز تقریر کی، جس سے بہتر تعزیتی تقریر کبھی بھی نہ ہوئی تھی، لارڈ موصوف نے اسپنسر کے ان ذہنی کمالات کو بیان کیا جن سے اُسے محبوبیت حاصل ہوئی تھی، جن اشخاص سے اسکی مستحکم دوستی تھی، جن مکانات مین وہ ہمیشہ عزت واحترام کے ساتھ مہمان بنایا جاتا تھا، اسکے پیش نظر کام کی عظیم الشان وسعت، اسکی ان تھک محنت وجفاکشی، کام کی تکمیل پر اسکی مسرت ارتقار کائنات سے متعلق اسکی محققانہ وہمہ گیر نظریہ، انسان کی حریت شخصی سے متعلق اسکی جدوجہد اسکی حق پرستی، مسائل حیات کی گرہ کشائی مین اسکی عالی ہمتی اور انکسار، اور آخر مین غیبیات (Unknowable) کے دائرہ فہم مین نہ آسکنے، وہ ازلی وابدی قانون پر محیط ہونے سے عاجز رہے" اور "ابدی" و "نا متناہی" کے حضور مین خاموشی پر قناعت کرنیکا اعتراف ان مین سے ایک ایک چیز کا لارڈ موصوف نے ذکر کیا،

ان الفاظ کا ہم بمسرت اعادہ کر کے اسپنسر کی سادہ زندگی اور مفید خدمات کو یاد کرتے اور اسکے نام کے آگے سر نیاز جھکاتے ہین،

(لٹریری گائیڈ)

باب التقريظ والانتقاد

الاستدلال

مصنفہ پروفیسر محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

از مولوی محمد سعید انصاری رفیق دار المصنفین

دنیا کے تمام علوم وفنون کی طرح فن منطق نے بھی تدریجی طور پر ترقی کی ہے، ابتداءً وہ جس بسیط حالت مین تہا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب افلاطون نے انسان کی یہ تعریف کی کہ "وہ ایک حیوان ہوتا ہے جسکے دو پانون ہوتے ہین اور پر نہین ہوتے" تو حکیم دیوجانس کلبی نے ایک بال و پر شکستہ مرغ لاکر اسکی مجلس مین چھوڑ دیا اور کہا "یہ افلاطون کا انسان ہے"، لیکن افلاطون کے بعد ہی اس فن نے حیرت انگیز ترقی کی، اور ارسطو نے اسکو ایک مستقل کتاب کی صورت مین مدون کیا جسمین آٹھ باب تھے، اور ہر باب ایک مستقل موضوع پر مشتمل تہا، ارسطو کے بعد مسلمانون نے اسمین بعض خاص تغیرات کئے، جنمین سب سے بڑا تغیر یہ تہا کہ خطابت، شاعری، اور جدل جو درحقیقت منطق کے اجزا نہ تھے، اور جنکو ارسطو نے منطق مین داخل کر دیا تہا انکو خارج کر دیا، اور مقولات عشرہ کی بحث کو بھی جو الٰہیات سے متعلق تھی منطق سے نکال دیا، اسکے علاوہ بعض خاص مباحث کا اضافہ بھی کیا مثلاً عکس نقیض کی بحث جو منطق ارسطو مین سرے سے موجود نہ تھی، مسلمانون نے اضافہ کی، اور قیاس شرطی جو ارسطو کے ہان بالکل نہ تہا بو علی سینا نے ایجاد کیا، ان تمام باتون کے ساتھ ایک سب سے بڑا تغیر یہ کیا کہ اس فن کے دو حصے قرار دیئے تصورات اور تصدیقات جس سے اس فن کی صورت بالکل بدلگئی، لیکن یورپ کی حیرت انگیز

قوت ایجاد و اختراع نے اسمین اور بھی برگ و بار پیدا کئے، اور بیکن نے منطق کی ایک نئی شاخ ایجاد کی جو منطق عملی یا استقرائی کے لقب سے مشہور ہے، یہ ظاہر ہے کہ جب ہم کسی دعوی کی دلیل بیان کرتے ہین تو اسکی دو صورتین ہوتی ہین، ایک تو یہ کہ ہم ابتدا ہی سے چند ایسے اصول بیان کرتے ہین جو مسلمات عامہ مین داخل ہوتے ہین، اور انکی بنیاد پر ثابت کرتے ہین کہ فلان نتیجہ ان سے ضرور لازم آتا ہے، یہ طریقہ استخراج کہلاتا ہے، مثلاً زید فانی ہے کیونکہ یہ قانون کہ انسان فانی ہے مسلم ہے، اور زید اسی قانون کے تحت مین داخل ہے، اس صورت مین پہلے مقدمات مذکور ہوتے ہین اور پھر نتیجہ اسلئے ذہن کا عمل اوپر سے نیچے کو اترتا ہے، بخلاف اسکے دلیل کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ذہن کا عمل نیچے سے اوپر کو چڑھتا ہے، یعنی پہلے ایک جزئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور پھر اسکے قانون کلی کی جستجو کیجاتی ہے، یہ طریقہ استقرار کہلاتا ہے، اگرچہ اسمین کوئی شبہہ نہین کہ استخراج و استقرار کا مقصد بالکل متحد ہے اور دونون مین منفرد اور جزئی واقعات کے ذریعہ سے قواعد کلیہ دریافت کئے جاتے ہین، تاہم چونکہ یہ دونون طریقے بالکل الگ الگ ہین، اسلئے اہل یورپ نے منطق کو انہی دو حصون پر جدا جدا تقسیم کر دیا ہے منطق استخراجی مین منطق قدیم کے اکثر مسائل شامل ہین جنکی انتہا قیاس کی بحث پر ہوتی ہے، قیاس سے آگے منطق استقرائی کی حد شروع ہو جاتی ہے، جسمین استقرار، تمثیل، اور مغالطہ وغیرہ سے بحث کیجاتی ہے، یہی حصہ ہے جسکی ایجاد کے اہل یورپ مدعی ہین، اور جسپر انکو اسقدر ناز ہے کہ وہ مسلمانون کے تمام کارنامے زرین پر پانی پھیر کر انکو صرف ارسطو کی گاڑی کا قلی کہتے ہین، لیکن کیا درحقیقت یہ دعوی صحیح ہے؟ کیا استقرا منطق کی کوئی علحدہ شاخ قرار پا سکتا ہے؟ اور کیا اسکا وجود قدیم منطق مین کہین نہین ہے؟ جو لوگ دنیا کی ہر چیز کو یورپ کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہین وہ اسکا جواب اثبات مین دینگے، لیکن جن نگاہون پر یورپ کی کورانہ تقلید کا پردہ

نہین پڑا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس دعوی کو سننے کے لئے تیار نہین، بیکن نے بے شبہہ استقرار کی بحث کو زیادہ پھیلا کر لکھا ہے، لیکن اس سے نفس فن پر کیا اثر پڑا؟ استقرار کی بحث پہلے بھی منطق کا ایک ضروری حصہ تھی اور اب بھی ہے، فرق صرف اسقدر ہے کہ پہلے اس وضاحت، اس تفصیل، اور اس جامعیت کے ساتھ نہ تھی جیسی آجکل پائی جاتی ہے، اس بنا پر اسکو منطق کی کوئی جدید قسم قرار دینا صحیح نہین ہے، ارسطو نے قیاس کے اقسام مین صرف حملیات سے بحث کی تھی، مسلمانون نے اسپر بالکل جدید قسم (یعنی شرطی) کا اضافہ کیا، تو کیا انکا یہ دعوی صحیح ہو سکتا ہے کہ انھون نے ایک جدید منطق ایجاد کی؟ کسی فن کی ایجاد اور چیز ہے اور اسکے کسی خاص باب پر اضافہ کرنا اور بات،

لیکن ابھی تک اصل عقدہ حل نہین ہوا، ہمارا دعوی یہ ہے کہ یورپ نے استقرار مین اصولی حیثیت سے کوئی اضافہ نہین کیا، قدیم منطق مین استقرار کے دو طریقے مذکور ہین، استقرار تام اور استقرار ناقص، استقرار تام اسکو کہتے ہین جسمین کسی خاص واقعہ کے متعلق متعدد تجربات کر کے ایک قاعدہ کلیہ قائم کیا جائے، اور استقرار ناقص وہ ہے جسمین چند مثالون کو دیکھکر ایک قاعدہ کلیہ بنا لیا جائے، قدیم منطق مین انہی طریقون کو پھیلا کر لکھا گیا ہے، لیکن جدید منطق مین انکی ایسی تحلیل کیگئی ہے جسپر خارج از بحث ہونے کا الزام قائم ہو سکتا ہے، مثلاً یہ ظاہر ہے کہ استقرار کے ذریعہ سے جو قضیہ دریافت ہوگا وہ مشاہدہ اور تجربہ کے وساطت سے ہوگا، قدیم منطق مشاہدہ اور تجربہ کو نظر انداز کر دیتا ہے، لیکن جدید منطق مین ان پر بھی بحث شروع ہو جاتی ہے، اسی طرح تصدیق، قیاس، اور تمثیل وغیرہ قدیم منطق مین بالکل جداگانہ چیز ہین، اور انسے استقرار کے عنوان مین بحث نہین کیجاتی ہے لیکن جدید منطق مین ان سب سے بحث ہوتی ہے جو نہایت برا خلط مبحث ہے، اور تو اور تمثیل جو قدیم منطق مین بالکل مستقل چیز ہے اسکو جدید منطق نے استقرار مین

داخل کر دیا ہے جو تاریخ منطق کا نہایت افسوسناک واقعہ ہے، اسی طرح علت و معلول کی بحث جو درحقیقت فلسفہ سے تعلق رکھتی ہے اسکو بھی منطق استقرائی مین جگہ دیگئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استقرار کی بحث مین یورپ نے اصولی حیثیت سے کوئی اضافہ نہین کیا، بلکہ قدیم منطق اور فلسفہ کے چند ابواب کو لیکر استقرار مین داخل کر دیا ہے،

بہرحال استقرار منطق کی کوئی جدید قسم ہو یا نہو کتاب زیر ریویو مین اسکو اسی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اور چونکہ کتاب کا مقصد منطق کو جدید پیرایہ مین لانا ہے، اسلئے مصنف کی کوشش ہر طرح قابل داد ہے، مصنف نے طرز بیان نہایت سادہ اور سلیس اختیار کیا ہے، اور تمام مسایل نہایت خوبی سے سمجھائے ہین، جن سے طلبہ اور اردو دان پبلک کی معلومات مین اضافہ ہو سکتا ہے،

مصنف کو متعدد مواقع پر وضع اصطلاحات کی بھی ضرورت پڑی ہے اور انھون نے اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہے، لیکن کہین کہین فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین مثلاً انھون نے عرض لازم اور غیر لازم کو فارق لکھا ہے یا مثلاً توزیع کو استغراق لکھا ہے وغیرہ وغیرہ، با این ہمہ یہ تمام فروگذاشتین جزئی حیثیت رکھتی ہین، اور ہمکو کلی حیثیت سے بحث ہے اور اس حیثیت سے یہ کتاب اردو زبان مین اپنی آپ نظیر ہے،

اخبار علمیہ

صوبہ متحدہ کے سررشتہ تعلیم نے سال آیندہ سے اپنے ہان فارسی و عربی کے چند امتحانات قائم کئے ہین، جنکے اسناد عطا کئے جاینگے، یہ امتحانات تعداد مین چار ہین جنمین سے ایک فارسی کا ہے اور باقی عربی کے ہین، فارسی امتحان کے بعد منشی کی سند ملیگی، اور عربی امتحانات کے بعد مولوی، عالم، اور فاضل کی، امتحانات الہ آباد مین ہرسال مارچ مین ہونگے، مدت تعلیم ہرامتحان کے لئے دو سال کی ہے، امتحانات کے رجسٹرار، انسپکٹر صاحب مدارس عربی الہ آباد ہین، جن سے مزید تفصیلات معلوم ہوسکتے ہین،

منشی کے امتحان مین آبحیات (آزاد مرحوم) واقعات کربلا (انیس) شعرالعجم جلد پنجم (علامہ شبلی) دروس الادب (مولانا سید سلیمان) حدائق البلاغت وغیرہ داخل درس ہین، مولوی کے نصاب درس مین کافیہ، بی اے کورس عربی، الہ آباد یونیورسٹی، شرح تہذیب، شرح وقایہ، ترمذی، جلالین وغیرہ ہین، عالم کا امتحان متنبی، مختصر المعانی، قطبی، شرح ہدایت الحکمۃ، نورالانوار، ہدایہ، بیضاوی وغیرہ مین ہوگا، فاضل کے کورس مین حریری، بدیعی، حماسہ، اسرارالبلاغت ابوداؤد، موطا امام محمد، نسائی، بخاری، مسلم، بیضاوی، مسلم الثبوت، ملل والنحل شہرستانی وغیرہ کے علاوہ درسیات طب نفیسی، شرح اسباب، کامل الصناعۃ، کلیات و معالجات، وحمیات قانون بھی شامل ہین، شیعہ طلبہ کے لئے کتب دینیات اس نصاب سے علیحدہ ہین، فاضل کے امتحان مین ادب، دینیات، وطب مین سے صرف ایک شعبہ کا انتخاب کرنا ہوگا،

دارالسلطنت جاپان (ٹوکیو) مین جو مخصوص درسگاہ السنۂ غیر (اسکول آف فارن لنگویجز) کے لئے قائم ہے، اسمین مختلف زبانون کے طلبہ کی تعداد حسب ذیل ہے:-

زبان	تعداد طلبہ
انگریزی	۴۳۹
اسپینی	۱۰۹
چینی	۱۰۵
فرانسیسی	۹۶
جرمن	۹۴
روسی	۵۸
منگولی	۸

ایک انگریزی پرچہ لکھتا ہے کہ ان اعداد سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جاپان کے سیاسی و تجارتی تعلقات کس قوم کے ساتھ کس درجہ تک ہین، جنگ سے قبل جرمن زبان کے طلبہ کی تعداد بہت زاید تھی،

سر چارلس بیلنس نے ایک لکچر مین بیان کیا ہے کہ اعصاب انسانی اگر مجروح یا از کار رفتہ ہوجائین تو انکے علاج کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہین نکال کر انکے بجاے کسی حیوان کے جسم کے مساوی جسامت کے تازہ اعصاب لگادیئے جائین، اس طریقہ سے مریض یا مجروح اعصاب کا انسان بالکل اچھا ہوجائیگا۔

کرۂ ارض کی عمر کے بابت علما رسائنس مین ہمیشہ اختلاف رہا ہے، امریکہ کے ایک مستند ماہر ارضیات (جیالوجسٹ) کے تازہ تخمینہ کے مطابق کرۂ ارض پر ابتک تین دور گذر چکے ہین، اور اسوقت چوتھا دور ہے، ان ادوار اربعہ کی حسب ذیل مدت اسکے تخمینہ مین گذر چکی ہے،

دور اول	۳ کرور ۶۰ لاکھہ سال
دور ثانی	۲ کرور ۴۰ لاکھہ "
دور ثالث	۹۰ لاکھہ "
دور رابع (موجودہ)	۳۰ لاکھہ "

انگریزی کا ایک ادبی رسالہ لکہتا ہے کہ مختلف ممالک مین موسومہ ذیل اخبارات اول بار فلان فلان زمانہ مین شایع ہوئے ہین،

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
انگلستان (شہر لندن کے لئے)	انگلش مرکری	سنہ ۱۵۸۳ء	اسپین نے اس زمانہ مین انگلستان پر بڑا زبردست بحری حملہ کیا تہا جس سے ملک مین سخت سراسیمگی پہیل گئی تہی، اس اخبار کا مقصد اجرا بے بنیاد افواہون کی تردید تہی،
اسکاٹ لینڈ	مرکیورس پالیٹکس	سنہ ۱۶۵۳ء	اول الذکر کا گویا مثنی ہوتا تہا۔
انگلستان (بیرونی اضلاع کے لئے)	نارڈس پوسٹمین	سنہ ۱۶۰۶ء	
اٹلی	گزٹ	سنہ ۱۶۲۰ء	

ملک	اخبار	زمانہ	کیفیت
امریکہ	بوسٹن نیوزلیٹر	سنہ ۱۷۰۴ء	
بمبئی	بمبئی ہیرلڈ	سنہ ۱۷۸۹ء	
بنگال	بنگال گزٹ	سنہ ۱۷۸۰ء	
"	سماچار درپن (بنگالی)	سنہ ۱۸۱۹ء	(زیر سرپرستی لارڈ ہیسٹنگز گورنر جنرل)
بمبئی	بمبئی سماچار (گجراتی)	سنہ ۱۸۲۲ء	
	باغ و بہار (اردو)	سنہ ۱۸۲۹ء	

فرانس کی ایک مشنری سوسائٹی کا جو اسوقت تک انجیل کا ترجمہ ۱۷۵ زبانون مین شایع کرا چکی ہے بیان ہے کہ دنیا مین مستقل زبانون کی تعداد چہہ سو ہے،

ایک فرنچ محقق موسیو پیرو نے پیرس کی اکاڈمی آف سائنس کے سامنے حال مین عمر آفتاب سے متعلق اپنا تخمینہ یہ پیش کیا ہے کہ آفتاب کی پیدائش کو زیادہ سے زیادہ ۶۰ لاکہہ سال کا زمانہ ہوا ہے،

موجودہ مہاراجہ بڑودہ کی علم دوستی و روشن خیالی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انکے حدود ریاست کے اندر کتبخانون کا ایک جال پہیل گیا ہے، پایۂ تخت کے مرکزی کتبخانہ مین ۷۱۰۷۷ کتابین ہین جنمین سے ۶۴۲۲۱ مطبوعہ، اور ۶۸۵۶ سنسکرت کے قلمی مسودات ہین، کتبخانہ مین ۱۲۳ اخبارات و رسائل آتے ہین اور حاضرین کا روزانہ اوسط ۴۰۰ کا رہتا ہی، شعبۂ نسوان مین

۱۰۷،۱۴۱ کتابین ہین، اور دار المطالعہ ۱۸ پرچہ خرید کرتا ہے، آنے والیون کی تعداد سال گذشتہ مین ۱۸۳۳ رہی، شعبۂ اطفال مین حاضری کی تعداد پچھلے سال ۱۴۰۰۰ رہی، اضلاع اور قصبون اور قریون کے کتبخانون کا شمار ۳۴۵ ہے، اور ان مین کتابون کی مجموعی میزان اب ۲۴۳۴۸۲ تک پہنچ چکی ہے جنمین سے پچھلے سال ۲۱۶۰۶۹ کتابین لوگون کے مطالعہ مین آتی رہین، سفری کتبخانون مین سے ۱۰۲۷۵ کتابین دیہات مین پڑہی گئین،

رایل کالج آف سرجنز کے سامنے پروفیسر کیتھ نے بیان کیا کہ وق دسل کے امراض جس طرح آج پائے جاتے ہین، اسی طرح ولادت مسیح سے پانچ ہزار سال قبل مصر مین بھی انکا وجود تہا اور اسکا ثبوت انھون نے ان قدیم نعشون سے دیا جو اُنکے عجائب خانہ مین محفوظ ہین، علی ہذا آج سے پانچ ہزار سال قبل کی تحریرون مین اور وہ وشرائین کی جو تشریح مندرج پائی جاتی ہے، اُسکو بھی انھون نے شرح وبسط سے بیان کیا، انھون نے لوہے کی وہ کہپاچین بھی دکھلائین جن سے تقریباً ۱۵۰۰ سنہ قبل مسیح مین ٹوٹے ہوئے اعضا کی بندش کیجاتی تھی، پروفیسر موصوف کی تحقیقات اگر صحیح ہے تو جدید فن طب، تشریح وجراحی اس سے آگے نہین بڑہا ہے، جہان وہ آج سے پانچ سات ہزار سال پیشتر تہا،

ماہ گذشتہ مین انگلستان کے ایک مشہور مستشرق سر چارلس لایل کی وفات ہوئی موصوف مدت تک ہندوستان مین ممتاز ملکی مناصب پر مامور رہے تھے، ۱۸۹۶ سنہ مین چیف کمشنر صوبۂ متوسط کے مرتبہ سے پنشن پائی، اور اسکے بعد بارہ برس تک انڈیا آفس مین کام کرتے رہے، اسلامانون کے علوم والسنہ، خصوصاً فارسی، عربی اور اردو کے وہ ایک مستند عالم خیال کئے جاتے تھے اور

شعراء عرب کے متعدد دواوین انکے تحشیہ ومقدمہ کے ساتھ شائع ہوئے، وہ برٹش اکاڈیمی کے فیلو تھے، اور ایڈنبرا، آکسفرڈ، اسٹراسبرگ، مختلف یونیورسٹیون سے ال، ال، ڈی، بی، ایچ ڈی، ڈی لٹ، وغیرہ کی اعزازی ڈگریان رکہتے تھے، انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کے آخری ایڈیشن مین ہندوستانی (اردو) لٹریچر پر مضمون انہی کے قلم سے تہا، انکی عمر ۷۵ سال کی تھی،

لیپزگ (جرمنی) کے عجائب خانہ کتب وکتبات نے حال مین اخبار نویسی وفن صحافت کے ارتقا سے متعلق ایک نمائشگاہ قائم کی تھی، اخبارات ابتداءً طبع نہین ہوتے تھے، بلکہ کتابت ہوکر دست بدست تقسیم ہوتے تھے، اسوقت سے لیکر اس زمانہ تک جب اخبارات ہفتہ وار طبع ہونے لگے، اور پھر اٹھارہوین اور انیسوین صدیون مین جو تغیرات ہوئے، ان سب عہد بعہد ترقیون کا منظر اس نمائش مین پیش ہوا، سولہوین صدی کے اخبارات جنمین تازہ اکتشافات کا بیان ہے یا اپنی اصلی حالت مین، یا انکے عکس، اس نمائش کے لئے فراہم کئے گئے تھے، نمائش کی سب سے زیادہ قابل ذکر شے کولمبس کا وہ خط تہا جو اس نے ۱۴۹۳ سنہ مین لکہا تہا اور جسمین امریکہ کے دریافت ہونے کی خبر دی تھی،

ماہ ستمبر مین نارفوک (انگلستان) مین عمر خیام، اور اسکے انگریزی شارح فٹز جیرالڈ کی برسی دہوم دہام سے منائی گئی، رباعیات خیام، مترجمۂ فٹز جیرالڈ کو ڈراما کی شکل مین تبدیل کرلیا گیا تہا، اور مقامی مشاہیر نے رباعیات کے مختلف اشخاص افسانہ کے پارٹ اسٹیج پر ادا کئے، ڈاکٹر کرکبائی فیلو، نیو کالج آکسفرڈ، خود خیام بنے، اور نارفوک کے پادری چارلس کینٹ و پرنس دلیپ سنگہ وغیرہ نے دوسرے پارٹ ادا کئے،

امریکہ نے جب گذشتہ جنگ مین شرکت کا اعلان کیا تو جرمنی کے ارباب حل وعقد اسکی شرکت کو قابل مضحکہ سمجھے اور اُنھون نے علانیہ اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ امریکہ کی ناآشناے فن حرب قوم کا چند ماہ کے عرصہ مین جنگ عظیم کے شرکت کے قابل ہو جانا ناممکن ہے، لیکن امریکی فوج کے عملی کارنامون نے ثابت کردیا کہ وہ حربی حیثیت سے کسی دوسری فوج سے پست تر نہین، اس "اعجاز" کا حل امریکی اخبارات نے حال مین شایع کیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جونہی امریکہ نے شرکت جنگ کا اعلان کیا، سپاہیون کی بھرتی اور اُنکی تعلیم وتنظیم کا سارا کام امریکہ کے مشاہیر علما رنفسیات کی ایک جماعت کے سپرد کردیا گیا، میجر برکس اس جدید محکمہ کے افسر اعلی تھے، اور امیدوارون مین سے سپہگری کے لئے موزون ومناسب اشخاص کے انتخاب کا کام ملٹری سایکالوجی (نفسیات حربیہ) کے دارالعلوم کے اساتذہ کے سپرد تھا، پہلے عام امیدوارون کے انبوہ مین سے نااہل وناموزون افراد چھانٹ چھانٹ کر الگ کردیئے جاتے تھے، پھر جتنے افراد لے لئے جاتے تھے، ان مین سے کرنل اسکاٹ ان افراد کو مختلف شعبون مین الگ الگ تقسیم کرتے تھے، جو کسی خاص شعبہ کے لئے مخصوص اہلیت وصلاحیت رکھتے تھے، اور انتخاب وتقسیم کا یہ سارا کام مختلف نفسیاتی تجربات واختبارات کے ماتحت انجام پاتا تھا، اس طرح جتنے افراد منتخب ہوے وہ اپنے اپنے کام کے لئے بہترین صلاحیت واہلیت رکھتے تھے، امریکی نفسیات حربیہ کے اس حیرت انگیز کارنامہ نے فن نفسیات کی عظمت ووقعت کا ایک اور نقش یورپ وامریکہ کے قلوب پر بٹھادیا ہے،

ایک سائنٹفک رسالہ لکھتا ہے کہ ابتدا رسنہ مسیحی سے لیکر اب تک دنیا کے مختلف اقطاع مین کوہ ہاے آتشین کی آتش فشانیون اور زلزلون کے حسب ذیل نہایت اہم

واقعات وقوع مین آچکے ہین :-

سنہ ۷۹ء، شہر پامپئی (روما) کوہ ویسو ویس کی آتش فشانی سے برباد ہوگیا،

سنہ ۱۱۶۹ء، کوہ اٹنا کی آتش فشانی سے کیٹینیا (اٹلی) برباد ہوگیا، اور پندرہ ہزار نفوس ہلاک ہوئے،

سنہ ۱۶۹۲ء، زلزلہ سے بندرگاہ پورٹ رایل (جمائیکا) ۴۰ فٹ نیچے دھنس گیا، اور تین ہزار آدمی ہلاک ہوئے،

سنہ ۱۶۹۳ء، زلزلہ نے کیٹینیا (اٹلی) کو ۱۸ ہزار نفوس کے ساتھ غرق کردیا، کل تعداد اموات ایک لاکھ تک پہنچی،

سنہ ۱۸۸۳ء، کوہ کراکوٹوا (جاوا) کی آتش فشانی سے ۴۰ ہزار افراد کی جانین ضایع ہوئین،

سنہ ۱۹۰۲ء، کوہ پیلی کی آتش افشانی نے سارے شہر سینٹ پیری (مارٹینک) کو آناً فاناً مٹادیا، دس منٹ کے اندر ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا،

سنہ ۱۹۰۵ء، زلزلہ سے دہرمسالہ (پنجاب) مین جسکا اثر لاہور تک پہنچا تھا، دس ہزار جانین ضایع ہوئین،

سنہ ۱۹۰۸ء مسینا (اٹلی) مین قیامت خیز زلزلہ آیا، جس نے ایک لاکھ انسانی زندگیون کو نذر اجل کردیا۔

کچھ روز ہوئے ٹوکوپلا (مملکت چلی جنوبی امریکہ) مین ایک قدیم نعش عجیب وغریب ہیئت کے ساتھ برآمد ہوئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کان کن تھا، اور تانبے کی ایک کان کے اندر بیٹھا ہوا کچے تانبے کو صاف کررہا تھا، عین اسی حالت مین کان بیٹھ گئی، اور یہ

شخص اسی حالت مین دبکر مرگیا، کام کرتے وقت یہ شخص جس وضع و ہیئت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوگا ٹھیک اسی حالت کے ساتھ اسکی نعش برآمد ہوئی ہے، علمارفن کی متفقہ راے ہے کہ یہ نعش چھ صدیون سے قبل کی ہے، البتہ اس باب مین یہ لوگ مختلف الآرا ہین کہ متوفی کس قوم و نسل کا شخص تھا،

پونہ مین بھنڈارکر ریسرچ انسٹیٹیوٹ، مشرقی علوم والسنہ کی جو گرانبہا خدمات انجام دے رہا ہے، ان کا ذکر معارف مین اس سے پیشتر آچکا ہے، اسی نوعیت کی ایک دوسری چیز بمبئی مین بھی ہے، جسکا نام کاما اورنٹیل انسٹیٹیوٹ ہے اور جو ایک فارسی فاضل شمس العلما کے، آر، کاما کی یادگار مین گیارہ سال سے قائم ہے، گذشتہ اگست مین اسکا گیارہوان سالانہ اجلاس ڈاکٹر جمشیدجی مودی کی زیر صدارت منعقد ہوا، سکریٹری کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ پچھلے سال گورنمنٹ سے تیس ہزار کا عطیہ اس غرض سے موصول ہوا کہ تحقیقات عالیہ کے لئے رفقا پر یہ رقم صرف کیجائے، مسٹر بومن جی نوشیروان جی ایم، اے، جو اس غرض سے رفیق منتخب ہوے تھے کہ تمام مطبوعات و مسودات موجودہ انسٹیٹیوٹ مذکور کی ایک مفصل و مشرح فہرست تیار کرین، اپنے کام سے فارغ ہو چکے، سال آیندہ کے لئے ایک جدید رفیق (فیلو) کا تقرر اس غرض سے ہوا ہے کہ وہ پہلوی کتبات اور سکہ جات پر لکچر دین، ایک اور رفیق (فیلو) اس کام پر متعین کئے گئے ہین، کہ وہ سورت وبھروچ مین گشت لگاکر پارسیون کی تاریخ سے متعلق ہر قسم کا سرمایۂ معلومات فراہم کرین، ایک فیاض معطی کی جانب سے اسکا اعلان کیا گیا کہ انھون نے ایک سال کے لئے تین سو ماہوار کا عطیہ تاریخی تحقیقات کے اغراض کے لئے منظور کیا ہے۔

پونہ کی گذشتہ مشرقی کانفرنس کے موقع پر کاما انسٹیٹیوٹ نے اپنے ہان کے پانچ نادر مسودات علمی نمائش کے لئے بھیجے تھے جنمین حسب ذیل قابل ذکر ہین:۔

(۱) قانون مسعودی

(۲) محیط معرفت،

(۳) مہابھارت، (پانچ ابواب)

ڈاکٹر کاما کو سب سے زیادہ شغف ایرانی علوم وفنون سے تھا، انکے انسٹیٹیوٹ کے کارکنون کو سب سے زیادہ دلچسپی اسی سے ہے، امید ہے کہ انکی کوششون سے کچھ عرصہ مین ایرانی تاریخ ایرانی علوم، و ایرانی السنہ کے متعلق ایک عظیم الشان ذخیرۂ معلومات فراہم ہوجائیگا۔

ادبیات

غزل

حضرت جگر مراد آبادی

جورِ گلچین و جفائے باغبان دیکھا کئے
جو دکھایا تو نے وہ اے آسمان دیکھا کئے

شامِ فرقت دل کی آہون کا دھوان دیکھا کئے
ہر طرف ہم آسمان ہی آسمان دیکھا کئے

آج کن آنکھون سے یہ جورِ خزان دیکھا کئے
سب چمن لٹتا رہا اور باغبان دیکھا کئے

جب چمن سے لیچلا صیاد کرکے ہمکو قید
دُور تک مُڑ مُڑ کے سوئے گلستان دیکھا کئے

اب قفس مین ہوش آیا تو یہ حیرت ہی ہمین
کسطرح آنکھون سے لُٹتے آشیان دیکھا کئے

جی بھر آیا ناتوانی مین جو راہِ شوق مین
دیر تک ہم نقشِ پائے رہروان دیکھا کئے

تھا اسیری مین بھی کچھ ایسا تعلق رُوح کو
ہم قفس مین روز خوابِ آشیان دیکھا کئے

کیسی سیرِ لالۂ و گل، باغ مین جبتک رہے
دستِ گلچین یا نگاہِ باغبان دیکھا کئے

(۲)

مرزا احسان احمد بی اے، ال ال بی، وکیل

جب یون پھری ہوئی نگہ باغبان رہے
پھر کسطرح چمن مین مرا آشیان رہے

کچھ ایسے محو لذتِ دردِ نہان رہے
دنیا سے بے نیاز رہے ہم جہان رہے

صیاد تجھے خوش رہے یا سرگران رہے
لیکن اسیرِ غم وہی طرزِ فغان رہے

اتنا کرم تو مجھہ پہ مرے باغبان رہے
سب کچھ ہو دور پاس مگر آشیان رہے

کچھ آج ایسی شان سے آہ و فغان رہے
چارونطرف قفس کے دھوان ہی دھوان رہے

یون ہوشیارِ راہِ محبت تو لطف ہے
دل مین بھرا ہو درد مگر چپ زبان رہے

دروازۂ قفس ہے کھلا دیر سے مگر
حیرت یہ ہے ہمین کہ ہم ابتک کہان رہے

قیدِ قفس مین جی جو بھر آیا تو دیر تک
ہم آج دیکھتے ہی سوئے گلستان رہے

پامالی چمن ہو نگاہون کے سامنے
اور اُسپہ حکم یہ ہے کہ ضبطِ فغان رہے

صیاد کی نگاہ مین ہے کسقدر عزیز
تھوڑی سی وہ جگہ بھی جہان آشیان رہے

آنے لگے ہین خواب اسیری ہمین نظر
گلشن مین اب بہار رہے یا خزان رہے

ذوقِ ستم سے ہو نہ سکا بے نیاز مین
ہرچند میرے حال پہ وہ مہربان رہے

لٹتا رہا قفس کے قریب اپنا آشیان
ہم تھے کہ پھر بھی مائلِ خوابِ گران رہے

اے چشمِ شوق آج ہو یون عرضِ مدعا
ہر جنبشِ نگاہ مین اک داستان رہے

(۳)

ہادی مچھلی شہری

ذوقِ کرم کو یون بھی نہ رسوا کرے کوئی
کبتک کسی سے عرضِ تمنا کرے کوئی

ہے کشمکش مین جذبِ نظر سے نقابِ حسن
اتنا نہ چشمِ شوق سے پردا کرے کوئی

مانا کہ اضطراب ہے شرمندۂ سکون
قابو چلے نہ دل پہ تو پھر کیا کرے کوئی

کہتا ہے حسن سارے علائق سے چھوٹکر
تمکو بٹھا کے سامنے دیکھا کرے کوئی

اللہ رے لطفِ یار کی بے التفاتیان
کبتک نگاہِ یاس سے دیکھا کرے کوئی

ہوجائے کاش فیصلۂ یاس و آرزو
کبتک تری نگاہون کو دیکھا کرے کوئی

لے دیکے اک تمہین تو ہو سرمایۂ حیات
پوچھو نہ تم بھی بات تو پھر کیا کرے کوئی

کچھ شغل چاہیئے دلِ محزون کے واسطے
ہادی نہ مضطرب ہو مگر کیا کرے کوئی

(۴)

مولوی ابو الحسنات نیر ندوی

یاس کا گھر جو مرا یہ دلِ رنجور ہے آج
آرزو دل کی بھی اب دل سے کہین دور ہی آج

بنگئی اپنی خودی پردۂ دیدار جمال
سامنے رہ کے نگاہون سے وہ مستور ہی آج

حسن کچھ غیر نہین دید سے محرومی کیون؟
خود مرا تارِ نگہ جلوہ گہ طور ہے آج

عشق کی خیر ہو یارب کہ ملی لذت زیست
تن مین ہر قطرۂ خون صورت ناسور ہی آج

دہر آئینہ ہے اس جلوۂ یکتا کے لئے
حسن آپ اپنی ہی دیدار سے مسرور ہی آج

ہان کسیکی نگہ ناز نے پھر چھیڑ دیا
زخم دل دیکھہ رہا ہون کہ بدستور ہے آج

ذرہ ذرہ سے انا الحق کی صدا اٹھتی ہے
دل جو شور افگنِ آوازۂ منصور ہے آج

جلوۂ وادیٔ ایمن کی حقیقت معلوم
دل کا جو داغ ہے وہ شمعِ سرِ طور ہے آج

مطبوعاتِ جدیدہ

رباعیاتِ ابو سعید ابوالخیر، حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر پہلے شخص ہین جنھون نے فارسی شاعری مین صوفیانہ خیالات ادا کئے، یہ انہی کی رباعیان ہین، جنکو پروفیسر کے، ایم منتر ایم، اے (لاہور) اور مولوی عبدالعزیز منہاس بی، اے، وکیل (گوجرانوالہ) نے مرتب کرکے شائع کیا ہے، یہ رباعیان چونکہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہین اسلئے ان مین تصوف کے حقائق اور مسائل موجود نہین، البتہ عشق و محبت کے جذبات ہین جنمین تصوف کا رنگ جھلک رہا ہے، آج فارسی شاعری مین تصوف کا جو وسیع سرمایہ موجود ہے، اسکی بنیاد انہی رباعیون پر ہے، اس بنا پر ان کے مرتب کرنے والون نے درحقیقت فارسی زبان کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے جسکے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہین، اس رسالہ مین ۲۸۱ رباعیان ہین اور اسکی قیمت ایک روپیہ ہے، پتہ: شیخ مبارک علی تاجر کتب لوہاری دروازہ لاہور،

مقامِ حدیث، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مذہبی رسائل کا ایک نہایت مفید سلسلہ شروع کیا ہے جنمین سے بعض پر معارف مین ریویو بھی ہوچکا ہے، یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اسکے مصنف مولوی محمد علی صاحب ایم، اے امیر جماعت احمدیہ ہین جسمین انھون نے حدیث کی صداقت، ضرورت، جمع و ترتیب، اور جرح و تعدیل وغیرہ پر بحث کی ہے اور نہایت عالمانہ پیرایہ مین کی ہے، لیکن بعض جگہ فروگذاشتین بھی ہوگئی ہین، مثلاً انھون نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ حدیث کا درس باقاعدہ طور پر تابعین کے زمانہ مین شروع ہوا، حالانکہ اسکا سلسلہ خود حضرت عمر کے زمانہ مین قائم ہوچکا تھا، اور مختلف مقامات مین متعدد صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے بہرحال

چونکہ مولف کا مقصد محض حدیث کا درجہ اور مرتبہ ثابت کرنا ہے، اسلئے بلاشبہہ وہ اسمین کامیاب ہوئے ہین، اور ہم اس مفید علمی خدمت پر انکو مبارکباد دیتے ہین، رسالہ کی قیمت ہے اور مذکورہ بالا پتہ سے مل سکتا ہے،

انجمن ترقی تعلیم کے وظائف، یہ انجمن ترقی تعلیم مسلمانانِ ہند امرتسر کی سالانہ رُوداد ہے، جسمین اُن طلبہ کی فہرست دیگئی ہے جو اُسکے وظائف سے تعلیم پا رہے ہین اور جنکی موجودہ تعداد ۱۸۰ ہے، انجمن نے اپنی مختصر سی عمر مین نہایت خاموشی، سکون، اور استقلال کے ساتھ مسلمانون کی جو خدمت کی ہے اسکی نظیر سے تمام اسلامی مدارس اور انجمنین خالی ہین، اور یہ بلاشبہہ مولوی محمد عمر صاحب مرحوم سکریٹری اور ارکان انجمن کے جوش، خلوص، دیانت اور ایمانداری کا نتیجہ ہے، جس نے اس انجمن کو قابل تقلید بنا دیا ہے، انجمن مذکور کے موجودہ سکریٹری جناب خواجہ مظہر حسین صاحب بی، اے وکیل نے اس رودادمین قلت سرمایہ کی شکایت کی ہے، اور انجمن کے مقاصد کے لحاظ سے پانچ لاکھ روپیہ کی اپیل شائع کی ہے،

انجمن حمایت اسلام کا ماہوار رسالہ: شعبان، رمضان، اور شوال کے یہ پرچے ہین، جنمین انجمن کے موجودہ تغیرات اور انتظامات کے علاوہ مختلف مذہبی اور تعلیمی مضامین درج کئے گئے ہین جنمین سے ایک تاتاری مسلمان اور تعلیم عربی ہے جو جناب مولانا عبدالسلام ندوی کے قلم کا نتیجہ ہے، ایک پرچہ مین سیر سلیمان کے عنوان سے جناب مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خط نقل کیا ہے، جو انھون نے مولوی مسعود علی صاحب ندوی کے نام لکھا تھا اور جسمین دنیس وغیرہ کے حالات ہین۔

مجلد ششم | ماہ ربیع الاول ۳۹ھ مطابق نومبر ۲۰ء | عدد پنجم

مضامین

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ عائشہ رضؓ، از مولانا سید سلیمان ندوی، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے احوال زندگی کی تفصیل، قرن اول کی خانہ جنگیون کے اصلی اسباب کی تشریح، ام المومنین کے فضائل و اخلاق کا بیان اور انکے علمی اجتہادات و کمالات پر تبصرہ، چھپکر تیار ہے، ضخامت ۴۵۰ صفحات، قیمت درجہ اول (کاغذ و طبع اعلی) ۳؍ درجہ دوم ۳؍ درجہ سوم (کاغذ دیسی سفید) ۱۲؍ منیجر